تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۲۶ | ۲۵ر دسمبر ۱۹۸۸ء مطابق ۱۴ر جمادی الاول ۱۴۰۹ھ | شمارہ نمبر ۴

اداریہ

محمود الازہار ندوی

روس کا قیامت خیز زلزلہ

فکری اور سیاسی طور پر دنیا کو جن مکاتب فکر اور نظاموں نے تقسیم کر رکھا ہے، ان میں سے ایک کی قیادت روس کرتا ہے وہ اپنے افکار و تخیلات اور نظام کو زمام اقتدار تک پہونچانے کے لئے وہ تمام پیش بندیاں کرتا ہے، جو ایک ملک اپنا اثر و نفوذ بڑھانے اور حلقہ وسیع کرنے کے لئے کرتا ہے، اس کے لئے وہ اپنے گرد و پیش کے حالات پر پوری نظر رکھتا ہے اور رونما ہونے والی تبدیلیوں سے باخبر رہتا ہے، نیز اپنے حامیوں کو ایک قسم کا تحفظ فراہم کرتا ہے، اور حالات کو اپنے موافق بنانے کے لئے ایسے وسائل اختیار کرتا ہے جو اس کی فکر و سیاست اور قیادت کو نمایاں ہی نہیں بلکہ اس کی انفرادیت کو خوبصورت بنا کر پیش کرتے اسی طرح روس اپنے حامیوں کی فکر اور سیاست نیز انفرادیت کو نمایاں کرنے کے لئے وہ تمام پیش بندیاں کرتا ہے جس سے اس کے افراد قیادت کی کرسی تک پہونچ سکیں اور وہ ان سے اپنے نظریات و مفادات کے تحت کام لے سکے

روس نے اپنے نظریات کو فروغ دینے اور اس کی ترویج کے لئے زبان و ادب کے ساتھ جدید ٹکنالوجی میں محیر العقول ترقی کی ہے، اور نت نئے انکشافات میں لگا ہوا ہے۔ جدید وسائل ربط اور نقل و حمل نیز خطرات سے باخبر کرنے والے ایسے آلات بنائے ہیں، اور ایسا نظام مرتب کیا ہے جو اس کو قبل از وقت خطرات سے آگاہ کر دیتے ہیں، اور اس کے پاس ان خطرات سے نپٹنے کے لئے ایسا دور مار نظام بھی ہے جو خطرہ کو باعث خطرہ بننے سے پہلے ہی نیست و نابود کر دیتے ہیں، ان ہی ترقیوں اور نئے نظام پر دسترس کی وجہ سے روس کو خلا میں سب سے پہلے انسان کو بھیجنے کا اعزاز حاصل ہوا ہے، اور وہ بہت سے ممالک میں اپنی سیاسی و فکری قیادت کا رول ادا کرتا ہے اور ان ممالک کے نظام میں دخیل ہے، وہ اسکے خلاف چوں تک نہیں کر سکتے ہیں۔ مگر وہی روس جو تمام روئے زمین پر حکمرانی کا خواب دیکھ رہا ہے، زمین کے اندر کے ذخائر اپنے دسترس میں لانے کی تگ و دو میں لگا ہوا ہے۔ خلا کو مسخر کرنے کا خواب دیکھ رہا ہے، بلکہ دنیا کو میزائیلوں کے گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔

ہے اسی روس کے یہاں جب زلزلہ آیا تو وہ تمام آلات، وہ تمام وسائل جو اس کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے نصب تھے خطرات سے باخبر رکھنے کے لئے اپنی پوزیشن لئے ہوئے تھے دھرے کے دھرے رہ گئے۔

ریاست آرمینیا میں ایسا زلزلہ آیا جس کی نظیر گذشتہ ۸۰ سالوں میں نہیں ملتی ہے۔ فلک بوس عمارتیں زمین دوز ہو گئیں اور ایک لاکھ سے زائد انسانی جانیں ضائع ہو گئیں اور مال و اسباب کی تباہی اور بربادی کا تو اندازہ لگانا ہی مشکل ہے۔

پیش آنے والے ایسے ناگہانی خطرات سے قرآن مجید نے چودہ سو سال پہلے سے آگاہ کر رکھا ہے: قرآن کہتا ہے

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ (۹۷) أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ (۹۸) أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ (۹۹) "الأعراف"

کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو واقع ہو۔ اور وہ (بے خبر) سو رہے ہوں؟ اور کیا اہل شہر اس سے نڈر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے نازل ہو اور وہ کھیل رہے ہوں؟ کیا یہ لوگ خدا کے داؤ کا ڈر نہیں رکھتے؟ (سن لو کہ) خدا کے داؤ سے وہی لوگ نڈر ہوتے ہیں ...

مجلس ادارت

شمس الحق ندوی

محمود الازہار ندوی

خط و کتابت کا پتہ

نیجر تعمیر حیات، پوسٹ بکس ۹۳

ندوۃ العلماء، لکھنؤ

انڈیا

زر تعاون

سالانہ : پینتیس ۳۵ روپے

ششماہی: پچیس ۲۵ روپے

فی پرچہ : ایک روپیہ ۵۰ پیسے

بیرون ملک

بحری ڈاک، جلد ڈاک : ۱۰ ڈالر

فضائی ڈاک

ایشیائی ممالک : ۲۰ ڈالر

افریقی ممالک : ۲۰ ڈالر

یورپ و امریکہ : ۲۰ ڈالر

نوٹ

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ پینتیس ۳۵ روپے ارسال فرمائیے۔ یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں

مساوات اسلامی کے اصول

ڈاکٹر عبدالحمید اسماعیل انصاری

کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ

جامعۃ قطر

ترجمہ: محمد فہیم اختر

مساوات قانون کی نظر میں

اسلام کے قانونی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ سارے افراد انسانی قانون کے سامنے یکساں ہوں، کسی فرد یا کسی طبقہ کو کوئی برتری حاصل نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں فرمانروائے وقت دوسرے حکام اور عام رعایا سبھوں کی حیثیت قانون کے سامنے یکساں اور برابر ہوتی ہے، اسلام نے درج ذیل آیت میں جو نظام عدل پیش کیا ہے۔ وہ درحقیقت نظام مساوات کا دوسرا نام ہے: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ"

یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو ان کے حقداروں کو ادا کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو"

اسی اصول کے پیش نظر اسلام نے کسی طبقہ کو کوئی امتیاز نہیں عطا کیا۔ حسب و نسب اور زبان کے اختلاف سے قطع نظر شریعت کی نظر میں تمام مسلمانوں کو مساوی درجہ دیا

اگر ہم اسلامی تاریخ کا ابتدا سے جائزہ لیں تو عیاں طور سے نظر آئے گا کہ اسلامی معاشرہ میں اگرچہ مختلف قوم اور مختلف نسل کے لوگ تھے، عرب بھی تھے اور عجم بھی، لیکن اسلامی شریعت کا نفاذ بغیر کسی تفریق کے سبھوں پر ہوتا تھا۔

قبیلہ مخزوم کی ایک معزز خاتون جب چوری کے جرم میں پکڑی گئی اور اس پر حد (چوری کی اسلامی سزا) لازم کی گئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت ہی محبوب صحابی حضرت اسامہ بن زیدؓ نے آپ سے معافی کی سفارش کی، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

اے اسامہ! تم اللہ کے بنائے ہوئے قانون کے سلسلہ میں مجھ سے سفارش کرتے ہو؟ پھر فرمایا کہ اے لوگوں تم سے پہلی قومیں اسی لئے گمراہ ہوئیں کہ جب ان کا کوئی معزز شخص چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے لیکن جب کوئی کمزور اس جرم کا مرتکب ہوتا تو اس کو سزا دیتے، قسم ہے اللہ کی! اگر میری لخت جگر فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹے بغیر نہیں چھوڑتا۔

سیدنا فاروق اعظمؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبدالرحمان کو شراب پینے کے جرم میں سزا دی،

غسان کے بادشاہ جبلہ بن ایہم غسانی کے ساتھ حضرت عمر فاروق کا موقف ملاحظہ فرمائیں،

واقعہ اس طرح پیش آیا کہ جبلہ بن ایہم جو آل جفنہ کے بادشاہوں میں تھا اپنی پوری قوم کے ساتھ داخل اسلام ہوا، پھر اپنے خاندان کے پانچ سو افراد کو لے کر پوری شان و شوکت اور زیب و زینت کے ساتھ خلیفۂ وقت حضرت فاروق اعظمؓ سے ملاقات کے لئے آیا فاروق اعظمؓ کو بڑی خوشی ہوئی کہ اسلام کو ایک نئی قوت حاصل ہو رہی ہے، آپ نے جبلہ بن ایہم کا اکرام کیا اور اس کے ساتھ ادائیگی حج کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، جس وقت شاہ غسان بن ایہم خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا اس کی لنگی قبیلہ بنو فزارہ کے ایک عام شخص کے پاؤں سے دب کر کھل گئی، اس نے غضبناک ہو کر فزاری کے چہرہ پر اس زور سے مارا کہ اس کی ناک ٹوٹ گئی، فزاری نے خلیفۂ وقت کے پاس شکایت کی، جبلہ بن ایہم نے جرم کا اعتراف کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسلام نے تم دونوں کو برابر قرار دیا ہے اے جبلہ! انہیں اس فزاری پر اگر کسی وجہ سے فضیلت حاصل ہو سکتی ہے تو وہ صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہے، یہ سن کر جبلہ نے کہا: اے امیر المومنین! میں تو سمجھا تھا کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد میرا مقام و مرتبہ اس سے کہیں زیادہ ہو جائیگا جتنا کہ دور جاہلیت میں تھا۔

آپ نے فرمایا کہ ان باتوں کو جانے دو اگر تم نے اس فزاری کو رضامند نہ کر لیا تو میں تم سے اس کا بدلہ ضرور لوں گا، جب جبلہ کو یقین ہو گیا کہ مجھ سے بدلہ ضرور لیا جائے گا تو وہ چپ چپا کر مدینہ سے قسطنطنیہ نکل بھاگا اور وہاں اپنی قوم کے ساتھ عیسائی مذہب میں داخل ہو گیا۔

غور فرمائیے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے نزدیک قانون کے نفاذ میں مساوات کی اتنی اہمیت تھی کہ اس کے نتیجہ میں ایک بڑی قوت کے اسلام سے جدا ہو جانے کی پرواہ بھی نہ فرمائی

عدالتی مساوات

اس کا مقصد یہ ہے کہ فیصلہ کے نفاذ میں سارے باشندے برابر ہوں، اور لوگوں کے باہمی نزاعات کے فیصلوں کا معیار بھی ایک ہی ہو یعنی وہ عدالتیں جو نزاعات کا فیصلہ کرتی ہیں، عدالت میں آنے والے افراد کے ساتھ ان کا طریقۂ کار ایک ہو، کسی خاص طبقہ کے لئے ان کے مقام و مرتبہ کی وجہ سے علاحدہ عدالت کا قیام نہ ہو،

آج کی جمہوری حکومتوں میں فرمانروا اور حکام کے لئے علاحدہ خاص عدالت قائم کی جاتی ہے، اس عدالت کی خاص شرطیں ہوتی ہیں، حاکم وقت کے خلاف وہاں مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا۔ ممبران پارلیمنٹ اور ججوں پر مقدمات خاص شرائط اور خصوصی حالات ہی میں چلائے جا سکتے ہیں یہ صورت مساوات کے اصول کو توڑتی ہے۔

اسلامی نظام ہی تنہا وہ نظام ہے جو کسی کو قانون کے نفاذ سے مستثنیٰ قرار نہیں دیتا خواہ وہ جس مقام و مرتبہ کے ہوں حتیٰ کہ خلیفۂ وقت بھی اس مقام پر عام لوگوں کے برابر ہوتا ہے۔

اسلام میں شارع اسلام کی ذات ہی تنہا باہمی نزاعات کے فیصلہ کا حق رکھتی تھی جیسا کہ اس معاہدہ سے معلوم ہوتا ہے جو آپ نے مہاجرین و انصار مدینہ کے درمیان نیز یہود اور دوسرے مشرکوں کے ساتھ کیا تھا، معاہدہ نامہ میں لکھا تھا کہ "جن لوگوں کے ساتھ یہ معاہدہ کیا جا رہا ہے ان میں اگر کوئی اختلافی واقعہ پیش آجائے امن و امان کے جاتے رہنے کا اندیشہ ہو تو اس معاملہ کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب لوٹایا جائیگا؛

حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابی بن کعب کے درمیان کسی معاملہ میں اختلاف ہو گیا، حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ اس امر کے تصفیہ کے لئے ایک تیسرے شخص کو متعین کر لیا جائے، چنانچہ دونوں حضرات نے زید بن ثابت کو اپنا ثالث مقرر کیا اور ان کے پاس آئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نے تمہیں اپنا ثالث مقرر کیا ہے تم ہمارے درمیان فیصلہ کرو، حضرت زید بن ثابتؓ تو قضاء اپنے گھر ہی میں انجام دیا کرتے تھے، جب دونوں حضرات وہاں پہونچے تو حضرت زیدؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے لئے آگے کی نشست چھوڑ دی اور عرض کیا کہ امیر المومنین یہاں تشریف رکھیں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: یہ پہلی زیادتی ہے جو تم نے اپنے فیصلہ میں کی، میں اپنے مقابل کے ساتھ ہی بیٹھتا ہوں، پھر دونوں حضرات زید بن ثابتؓ کے سامنے بیٹھ گئے، حضرت ابی نے اپنا دعویٰ دائر کیا لیکن حضرت عمرؓ نے انکار فرمایا، زیدؓ نے حضرت ابی سے کہا کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو میں حضرت عمرؓ کے علاوہ کسی اور کے لئے ایسا مطالبہ نہ کرتا لیکن حضرت عمرؓ نے خود ہی قسم کھائی، پھر قسم کھا کر فرمایا کہ زید کو قضاء کا اختیار اس وقت تک نہ ہوگا جب تک کہ عمر اور ایک عام شخص اس کی نظر میں برابر نہ ہوں۔

حضرت علیؓ کی زرہ کھو گئی تھی وہ ایک یہودی کو بازار میں ملی، حضرت علیؓ نے اپنی زرہ زبردستی اس سے نہ لی بلکہ فرمایا کہ مسلمان قاضی کے فیصلہ پر ہم راضی ہیں، معاملہ قاضی کے پاس لے جایا گیا، چونکہ زرہ یہودی کے پاس تھی جو اس کی ملکیت کی ظاہری علامت تھی قاضی نے یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

حضرت عمرؓ نے کرایہ پر ایک گھوڑا لیا اس پر بوجھ لادا گیا تو وہ مر گیا، گھوڑے والا حضرت عمرؓ سے الجھ گیا، آپ نے فرمایا کہ ایک تیسرے شخص کو فیصلہ کے لئے مقرر کر لو، اس نے کہا کہ میں شریح عراقی کو ثالث بناتا ہوں، معاملہ شریح کے پاس پہونچا، اور شریح نے اسی شخص کے حق میں فیصلہ کیا اور حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ نے گھوڑا صحیح و سالم لیا تھا، اسی حالت میں واپس کرنا آپ کی ذمہ داری ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کی قیمت ادا فرمائی اور شریح کو منصب قضا پر مامور کر دیا۔

ایک شخص مصر سے حضرت عمرؓ کے پاس آکر عرض کیا کہ اے امیر المومنین! میں اس وقت آپ سے مدد کا خواہاں ہوں، حضرت عمرؓ نے وجہ دریافت کی تو اس نے کہا کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر میں گھوڑے دوڑائے، جب گھوڑے لوگوں کے سامنے سے گذرے تو ان کے صاحبزادہ محمد بن عمرو بن العاص کھڑے ہوئے اور کہنے لگے، یہ گھوڑا میرا ہے، میں نے رب کعبہ کی قسم کھا کر کہا کہ یہ میرا گھوڑا ہے، یہ سن کر وہ اٹھے اور یہ کہہ کر مجھے کوڑے سے مارا کہ"

(بقیہ صفحہ ۱۴ پر)

پرنٹر پبلشر: جمیل احمد

ہیں جو خسارہ پانے والے ہیں)

اور دوسری جگہ ہے:

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ (۲۶)

(النحل)

(ان سے پہلے لوگوں نے بھی (ایسی ہی) مکاریاں کی تھیں تو خدا کا حکم ان کی عمارت کے ستونوں پر آپہونچا اور چھت ان پر ان کے اوپر سے گر پڑی اور (ایسی طرف سے) ان پر عذاب واقع ہوا جہاں سے ان کو خیال بھی نہ تھا۔)

ایک جگہ اور ارشاد ہے:

أَفَأَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ أَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ (۴۵)

أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (۴۶) أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۴۷)

(کیا جو لوگ بری چالیں چلتے ہیں اس بات سے بے خوف ہیں کہ خدا ان کو زمین میں دھنسا دے یا (ایسی طرف سے) ان پر عذاب آجائے جہاں سے انکو خبر ہی نہ ہو؟ یا ان کو چلتے پھرتے پکڑ لے؟ وہ (خدا) کو عاجز نہیں کر سکتے یا جب ان کو عذاب کا ڈر پیدا ہو گیا ہو تو ان کو پکڑ لے، بیشک تمہارا پروردگار بہت شفقت کرنے والا، اور مہربان ہے۔)

ان قرآنی حقائق کے بعد بھی کوئی دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس نے جو وسائل اختیار کر رکھے ہیں وہ اس کو تحفظ دینے کے لئے کافی ہیں، اور وہ وسائل ونظام جو روس نے کائنات کو مسخر کرنے کے لئے کئے ہیں اور کر رہا ہے وہ قدرت کے اشاروں کا منکر ہو سکتا ہے تو کیا وہ قدرت کے ان اشاروں پر جس کی ایک بہت معمولی سی علامت ظاہر ہوئی ہے، اپنے نظریات وانکار اور نظام کی بے بسی اور بے بساطی تسلیم کرتے ہوئے اور قدرت کے مخفی ہاتھوں کی طاقت کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے افکار ونظریات پر نظر ثانی کرے گا۔

مجھے جنم لینے سے پہلے بیچ دیا گیا

کئی سال پہلے کی بات ہے کہ لکھنؤ عیش باغ کے علاقہ میں کسی غریب اور مجبور ماں کے میں رہنے والی عورت کے ایک نہایت حسین بچہ پیدا ہوا، اس بچے کو دیکھنے کیلئے لوگ جمع ہو گئے، ایک صاحب سے نہ رہا گیا، انہوں نے عورت کو غریب دیکھ کر اس بچہ کو خریدنے کی پیش کش کر دیکہ ماں نے یا یوں کہئے کہ ماتا نے جواب دیا۔

"دودھ پوت بیچے نہیں جاتے"

ہاں ہمارے مشرق و مشرقیت کا یہی مزاج ہے، مگر مغرب سے آنے والی ہوائیں مشرق کی ان تمام قدروں کو ہم سے چھین رہی ہیں اس لئے کہ جو وہاں سے آتا ہے مشرق پہلے اسکو فیشن کے طور پر اپناتا ہے پھر اسکے پھندے میں پھنس جاتا ہے، خدا یہ دن مشرق کو نہ دکھائے، مگر ہم نے غلط کہا مشرق میں اب لڑکیوں کی خرید وفروخت کا روبار بڑے پیمانے پر ہونے لگا ہے، ذیل کی تحریر ہم معاصر ندائے ملت کے شکریہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں اس دعا کے ساتھ کہ خدا ہمارے مشرق کو اس بچہ دن سے بچائے اور مغرب کو آدمیت کی راہ دکھائے۔

کیا اس عنوان پر آپ یقین کریں گے؟ نہیں۔ لیکن اٹلی کے ایک گاؤں بسنت انٹی مو، میں نوزائیدہ بچوں کا بازار لگتا ہے، جہاں خوبصورت، تندرست معصوم بچوں کی خرید وفروخت چلتی ہے، اتنا ہی نہیں اس بازار میں خوبصورت وتندرست حاملہ عورتوں کو پیشگی رقم دے کر یہ معاہدہ بھی کیا جاتا ہے کہ مستقبل میں ہونے والا بچہ پیشگی رقم دینے والے کے سپرد کیا جائے گا۔

ایک بچہ کی نیلامی کم از کم قیمت پانچ لاکھ لیرا (یعنی ہندوستانی ۵۰ ہزار روپیہ) سے لے کر زیادہ سے زیادہ ۱۲ لاکھ لیرا تک ہوتی ہے ایک محتاط اندازے کے مطابق ہر سال اس منڈی میں کم از کم ۵۰۰ بچوں کی نیلامی ہوتی ہے اب یہ کاروبار منظم بیوپار کی شکل اختیار کر گیا ہے اس بازار میں مقررہ دن اٹلی کے گوشے گوشے سے بے اولاد والدین اکٹھا ہوتے ہیں خریدار اپنے ساتھ وکیل کو بھی لے کر آتے ہیں یہ وکیل اس سودے کو قانونی وجائز شکل دیتا ہے دیگر الفاظ میں خریدار بچہ کو قانوناً گود لیتا ہے یہی نہیں بلکہ دیگر ممالک سے بھی غیر قانونی طور پر بچوں کو لاکر یہاں فروخت کیا جاتا ہے ایسے معاملوں میں بین اقوامی گروہ بھی شامل ہیں۔

لالچ دیکر یا زبردستی اغوا کر کے بچوں کو غیر قانونی ڈھنگ سے یہاں پہنچا دیا جاتا ہے بچہ جس قدر تندرست اور خوبصورت ہوگا اسی قدر اسکی قیمت زیادہ ہوگی، امریکہ اور یورپ کے کئی ممالک میں گود لینے کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے، بے اولاد جوڑوں کے جذبات کو جگا کر بیوپاری چاندی لوٹتے ہیں گزشتہ سال صرف امریکا میں ۲۵۰ جوڑوں نے قانونی یا غیر قانونی طریقے سے بچوں کو گود لیا ہے، صرف امریکا میں اس گھناؤنے دھندے میں ۲ کروڑ ۲۰ لاکھ ڈالر کا سرمایہ لگا ہوا ہے پورے یورپ میں اٹلی کا بچوں کا بازار بڑا اور مشہور مانا جاتا ہے۔

اٹلی میں یہ کاروبار اس قدر بڑھ گیا ہے کہ آسانی سے دولت کمانے کے لالچ میں کچھ عورتیں ہر سال حاملہ ہو رہی ہیں اور ہر سال ایک ایک بچہ کو پیشگی بیچ رہی ہیں، اٹلی کی ایسی عورتوں نے گزشتہ سال بڑی بڑی بھوری آنکھوں اور لمبے بالوں کے ایک لڑکے کو جنم دیا اور اس کا نام کارلو رکھ دیا۔ اسے لالچ پیدا ہو گیا کہ منڈی میں کارلو کا منھ مانگا دام ملے گا، مگر ایک دن کارلو کو دواخانہ ہی سے کسی نے اغوا کر لیا، اس دواخانہ میں کارلو کی پیدائش کا ریکارڈ بھی درج نہیں کیا گیا تھا، اب جس خریدار نے کارلو کی ماں کو موٹی رقم ایڈوانس دی تھی اس نے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا کہ اسے فریب دیا جا رہا ہے اسی وقت کارلو کی گمشدگی کا معاملہ منظر عام پر آیا، پولیس کا بیان ہے کہ کارلو کے اغوا میں نہ اصلی والدین یا خریدار کا نہیں بلکہ اٹلی کے بدنام کیمورا نام کے مافیا گروپ کا ہاتھ ہے۔

تاریخ انتقال پر ملال

مولانا ابوالعرفان برّد اللہ مضجعہ

(استاذ ندوۃ العلماء لکھنؤ)

از فکر محمد ادریس ذکا۔ استاذ مدرسہ جامع العلوم مظفرپور بہار

دریغا حسرتا از داغ فرقت — غمے دادہ مرا مونس وہمدم[1]
ابوالعرفان آں علامۂ وقت — عدیلش کم دریں دوران بیینم
چوں رفتہ ناگہہ آں استاذ دوراں — شدہ ندوہ غریق لجۂ غم
شریک رنج بودم آہ من نیز[2] — بقلب مضطرب باچشم پُرنم
ذکا از بہر تاریخ وفاتش
بجنت پارسائے رفت گفتم

[1] مرحوم میرے ہم درس تھے اور درجنگہ میں مدتوں ساتھ رہے۔
[2] انتقال کی شب میں اتفاق سے میں بھی ندوہ میں موجود تھا۔

براہ کرم جواب طلب امور کے لئے جوابی خط ارسال کریں نیز حوالہ خریداری نمبر ضرور تحریر کریں۔ (منیجر)

مولانا ابوالعرفان ندوی مرحوم

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

جو قلم برسوں سے بزرگ ونامور معاصرین کے بارے میں اپنے مشاہدات تاثرات وتجربات وتعلقات کے قلم بند کرنے اور ان کو تحریری شکل میں پیش کرنے کا عادی رہا ہے[1]۔ اور جس نے صرف چند ہی خورد سال عزیزوں کے بارے میں "سینہ کے داغ" کے عنوان سے اپنی قلبی جراحتوں کا اظہار کیا ہے، آج وہ اپنے ایک عزیز، باوفا رفیق کار، اور ممتاز ندوی فاضل، وسیع النظر، وسیع المطالعہ عالم "مولانا ابوالعرفان ندوی" (جن کو پہلی مرتبہ قلم مرحوم لکھنے پر مجبور ہو رہا ہے) کے بارے میں اپنے تاثرات وتجربات کے پیش کرنے پر مجبور پا رہا ہے۔

جون پور جو "مولانا ابوالعرفان ندوی" کا وطن تھا، اس سے ہمارے خاندان کے دیرینہ تعلقات چلے آرہے ہیں یہ شہر حضرت سید احمد شہیدؒ کے دو ممتاز اور نامور خلفاء کا مولد ومسکن تھا، ایک مرشد بنگال حضرت مولانا کرامت علی جون پوری (ساکن ملا ٹولہ جون پور)، دوسرے ماحی بدعت وناشر سنت حضرت مولانا سخاوت علی جون پوری (ساکن محلہ قضیانہ جون پور) مولانا سخاوت علی جون پوریؒ کے صاحبزادہ مولانا محمد مکی جون پوری (دفین جنت المعلی مکہ معظمہ) اور ان کے نامور صاحبزادہ مولانا ابوبکر محمد شیث فاروقی (ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) دونوں میرے حقیقی جد مادری حضرت سید شاہ ضیاء النبی حسنیؒ رائے بریلوی سے بیعت واسترشاد کا تعلق رکھتے تھے۔ مولانا ابوالعرفان صاحب کے والد مولانا دین محمد صاحب مسلک واعتقاد، محبت وعقیدت اور علمی ودرسی استفادہ میں اسی خاندان کے خوشہ چیں اور اسی ماحول کے پروردہ اور ساختہ وپرداختہ تھے، اور سکونت وقیام کے لحاظ سے بھی اسی محلہ اور ماحول سے تعلق رکھتے تھے، مولانا دین محمد صاحب نے میرے نانا صاحب کی زیارت کی تھی اور غالباً مولانا سید محمد امین صاحب نصیرآبادی سے کچھ پڑھا بھی تھا۔

مولانا ابوالعرفان صاحب ان تعلقات وخصوصیات سے نہ صرف واقف تھے، بلکہ ان بزرگوں کی محبت وعقیدت سے سرشار اور ان کے مسلک کے شدت سے نہ صرف پابند بلکہ داعی وکیل تھے۔ انھوں نے مولانا ابوبکر صاحب کے قیام جون پور کا زمانہ اپنے بچپن میں دیکھا تھا، اور بڑے ذوق وشوق کے ساتھ انکی مقبولیت ومرکزیت، ان کے بلند اخلاق، کنبہ پروری، مہمان نوازی اور ان کی وسیع اور مختلف الجہات، ثقافت اور مجالس کا تذکرہ اس ذوق وشغف کے ساتھ کرتے تھے۔ کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ مناظر اب بھی ان کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔

مولانا ابوبکر محمد شیث صاحب جونپوری کی دل آویز شخصیت اور ان کی وسیع اور جامع ثقافت نے (جس کا نمونہ اس دور آخر میں ہندوستان کی صرف چند نادرۂ روزگار شخصیتیں ہی تھیں) مولانا ابوالعرفان صاحب کے ذہن کی تشکیل اور سیرت کی تعمیر میں بنیادی حصہ لیا تھا، اور ان کے لئے ان کی حیثیت ایک نمونہ اور معیار (Model) انسان اور عالم کی تھی۔

اس تاریخی پس منظر اور پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تعلیم، علامہ سید سلیمان ندویؒ کی مجالس استفادہ اور وسیع اور متنوع مطالعہ نے ان کو ندوۃ العلماء کی تعلیم وثقافت کا ایک جیتا جاگتا نمونہ بنا دیا تھا۔ اس لئے کہ ان دونوں مسلکوں، اور ثقافتوں میں کئی مابہ الاشتراک اجزاء وعناصر ہیں، مثلاً خاندان ولی اللہی اور جماعت مجاہدین، (جس کے قائد ورہنما حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسماعیل شہیدؒ تھے) کا عقیدہ ومسلک، تاریخ وادب کا ذوق اور وسیع مطالعہ، علم کلام اور عقائد کے بارے میں عمیق ووسیع مطالعہ اور مسلک سلف کی حمایت اور تائید، سنجیدہ اور باوقار علم مجلسی جدید تحریکات ورجحانات سے واقفیت اور ان کے بارے میں ناقدانہ نظر اور منصفانہ محاکمہ، اس کو ندوی ثقافت ومزاج بھی کہا جا سکتا ہے، جس کے معاصر علماء اور اساتذۂ مدارس اور فضلاء جدید میں مولانا ابوالعرفان صاحب ندوی ایک ممتاز نمائندہ اور نمونہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور اسی بنا پر ہندوستان کی مختلف جامعات (یونیورسٹیوں)، اور مجامع علمیہ (اکیڈمیوں) میں منعقد ہونے والے مذاکرات ومجالس علمی میں ندوہ کی نمائندگی اور بحث ومذاکرہ میں حصہ لینے کے لئے بالعموم انھیں کا انتخاب کیا جاتا تھا، اور وہ اپنی متوازن اور پر از معلومات تقریروں اور سنجیدہ بحث ومذاکرہ کے تابندہ نقوش چھوڑ کر آتے تھے اور ہر جگہ ان کا علمی وزن اور فکری توازن واعتدال محسوس کیا جاتا تھا۔

انھوں نے دارالعلوم میں بحیثیت طالب علم آنے سے پہلے اپنے فاضل والد ماجد سے اور الہ آباد کے بعض اساتذۂ معقولات سے منطق وفلسفہ کی کتابیں بھی پڑھی تھیں اور ایک مختصر عرصہ کے لئے دارالعلوم دیوبند بھی رہے تھے، اس لئے ان کی معقولات پر بھی نظر تھی، اور وہ قدیم کلامی مباحث اور فلسفیانہ موشگافیوں سے بھی واقف تھے، پھر شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تصنیفات وتحقیقات کے مطالعہ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کی علمی مجالس "سیرۃ النبیؐ" علامہ شبلیؒ کی تصنیفات اور دارالمصنفین کی مطبوعات اور لٹریچر کے مطالعہ سے ان کے ذہن میں مزید وسعت اعتدال، وجامعیت، اور جدید ذہن کے سمجھنے اور مطمئن کرنے کی بہتر صلاحیت پیدا ہو گئی تھی۔ اسی بنا پر وہ حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب کی معرکۃ الآرا کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بڑے ذوق وشوق اور اطمینان واعتماد کے ساتھ پڑھاتے تھے، اور یہ کتاب تدریسی طور پر زیادہ تر انھیں سے متعلق رہتی تھی۔

جہاں تک ہندوستان کی اسلامی (سیاسی، تہذیبی، علمی، اور تصنیفی) تاریخ، طبقات علماء، ان کے مراتب وخصوصیات سے واقفیت اور نصاب تعلیم کے ارتقاء وتنزل اور عہد بہ عہد تبدیلیوں سے واقفیت کا تعلق ہے۔ معاصر اور متوسط العمر علماء میں شاید ان کے مرتبہ کا کوئی عالم دور دور نہ پایا جاتا ہو، اسی بنا پر جب والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآرا تصنیف "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" کے (جس کو بڑے اہتمام سے دمشق (شام) کی، موقر ترین علمی اکیڈمی "المجمع العربی" نے (جس کا جدید نام مجمع اللغۃ العربیۃ ہے) ۱۳۷۷ھ میں شائع کیا) اردو ترجمہ کے لئے مولانا ابوالعرفان ندوی ہی پر نظر پڑی، اور "ہندوستان میں اسلامی علوم وفنون" کے نام سے دارالمصنفین اعظم گڑھ نے شائع کیا، افسوس ہے کہ اپنی تدریسی مصروفیات اور مخصوص افتاد طبع کی بنا پر وہ اپنے فکر ومطالعہ کے شایان شان کوئی بڑا اور مستقل تصنیفی کام نہ کر سکے جو صحیح طور پر ان کی علمی یادگار، اور ان کے وسیع ومتنوع مطالعہ کا نمونہ ہو۔

مولانا نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بارے میں قدیم علماء کے اصول "یک در گیر ومحکم گیر" پر عمل کیا، سوائے ایک قلیل مدت کے جب انھوں نے شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ مرحوم کے اصرار پر سری نگر کشمیر کے ایک مرکزی عربی مدرسہ کی سربراہی قبول کی اور اس سلسلہ میں وہ کچھ عرصہ تک سری نگر میں مقیم رہے، انھوں نے ایسی حالت میں کہ ان کے کثیر التعداد شاگردوں نے سعودی عرب اور دوسرے عرب ممالک کی جامعات اور مختلف مرکزوں اور شعبوں سے وابستگی پیدا کی، انھوں نے کبھی اشارۃً بھی اس خیال کا اظہار نہیں کیا اور دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی میں تدریس وخدمت علمی میں زندگی گذار دی، ان کو رفیق محترم مولانا حافظ محمد عمران خاں صاحب ندوی مرحوم (سابق مہتمم دارالعلوم) کا اعتماد ورفاقت حاصل رہی اور وہ ان کے بعد کچھ عرصہ تک منصب اہتمام پر بھی فائز رہے، اس کے بعد انھوں نے اپنی ساری صلاحیتیں تدریس ومطالعہ ہی میں محدود کر دیں لیکن ندوۃ العلماء کی نظامت اور دارالعلوم کا شعبۂ اہتمام اہم مواقع پر ان کے تجربہ وخلوص اور رائے صائب سے فائدہ اٹھاتا رہا۔

کئی سال سے ان کو ذیابیطس کی شکایت تھی اور اس نے ان کی صحت کو خاصا متاثر کیا تھا، اس کے باوجود وہ ملک کے مختلف گوشوں میں منعقد ہونے والے سیمیناروں اور علمی مجالس میں شرکت کے لئے سفر کرتے تھے، (بقیہ صـ۱۳ پر)

[1] ان مضامین کا مجموعہ "پرانے چراغ" کی دو جلدیں ہیں۔

مولانا ابوالعرفان خاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، صدر شعبہ عربی ادب، دارالعلوم ندوۃ العلماء

مولانا ابوالعرفان خاں صاحب ندوی، ندوۃ العلماء کے ایک بڑے مقبول و محترم استاد تھے، انھوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں فراغت تعلیم حاصل کی اور پھر وہیں تدریسی خدمت میں چالیس سال سے زیادہ مدت گذاری، اور اپنی علمی و انتظامی صلاحیتوں سے بہت فائدہ پہونچایا، قلب کی بظاہر معمولی شکایت میں تقریباً دو ماہ مریض رہ کر ۶۵ سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوئے، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون۔

وہ انتقال سے ایک ہفتہ قبل قلب کی بعض کمزوریوں کی تحقیق کے سلسلہ میں اسپتال داخل ہوئے تھے جو کہ ایک صرف ادادی کا معاملہ معلوم ہوتا تھا، خود مولانا مرحوم اس کی اہمیت کو تسلیم نہیں کر رہے تھے اور جانچ کی رپورٹ کوئی زیادہ فکرمندی کی بھی نہ تھی، لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا، اور وقت موعود آچکا تھا، مولانا مرحوم حسب معمول مشغولیت اور انشراح کے حال میں تھے کہ رات میں دورہ پڑا اور کئی گھنٹے کے تسلسل کے بعد انتقال کیا۔ میں ان دنوں بیرونی سفر پر تھا، وہاں ایک ٹیلی فونی اطلاع سے واقعہ کا علم ہوا، اس اچانک خبر کا بہت اثر و رنج ہوا، اور واقعہ ایک طرح سے اچانک پیش آنے والا محسوس ہوا مجھے تقریباً چالیس سال سے مولانا موصوف کو دیکھنے اور جاننے کا موقع ملا۔ بلکہ مجھے ان کو قریب سے دیکھنے کا اور ساتھ رہنے کا بھی موقع ملا۔ مولانا ابوالعرفان خاں صاحب ندوی نے تقریباً پینتالیس سال دارالعلوم ندوۃ العلماء میں علمی و انتظامی کاموں میں گذارے جن سے ندوہ کے بام و در بسے ہوئے ہیں، مولانا موصوف کے ساتھ تقریباً ۳۰ سال سے میرا تدریسی کام میں رفاقت کا تعلق رہا، طالب علمانہ زندگی میں مولانا مرحوم مجھ سے تقریباً چھ سال آگے تھے، اس فرق سے وہ میرے استاد بھی ہو سکتے تھے اور میرے بعض رفقاء کے وہ استاد تھے، لیکن مجھ کو ان کی شاگردی حاصل نہیں ہوئی، اس کی وجہ سے تدریسی خدمت میں رفاقت کے دوران ان سے میری قدرے بے تکلفی رہی اور ان کی مرنجاں مرنج طبیعت کی وجہ سے ان سے قریبی ربط و ضبط انس و تعلق رہا

مولانا مرحوم کا یہ ربط و ضبط و انس ندوۃ العلماء کے تدریسی اسٹاف کے علاوہ طلباء سے بھی خاصی حد تک تھا، وہ سب سے بے تکلف اور سب کے ہمدرد تھے، اپنی علمی صلاحیت سے ہی نہیں بلکہ اپنی انتظامی تجربہ کاری سے بھی فائدہ پہونچاتے تھے وہ دس بارہ سال دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم بھی رہے، پھر انھوں نے اپنے خاص حالات کی وجہ سے مہتمم کے عہدہ کو ترک کر کے صرف تدریسی منصب پر ہی اکتفا کیا، جس پر وہ آخر تک فائز رہے مجلس نظامت ندوۃ العلماء کے بھی رکن تھے، اور شعبۂ دینیات کے صدر بھی اور ندوۃ العلماء کے موجودہ تدریسی اسٹاف میں سب سے قدیم بھی۔

مولانا علمی لحاظ سے ندوۃ العلماء کے تخیل کے مطابق نمایاں مقام کے حامل تھے، علوم عقلیہ و بلاغت کے علاوہ تفسیر و تاریخ، ادب اور علوم اجتماعیہ پر بھی بڑی اچھی نظر رکھتے تھے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب کے پاس گھر پر اور متوسط تعلیم دارالعلوم دیوبند و جون پور میں اور اعلیٰ تعلیم ندوۃ العلماء میں حاصل کی، پھر کچھ مدت کے لئے حضرت سید سلیمان صاحب ندوی کے فیض صحبت و تربیت سے فائدہ اٹھایا مولانا مرحوم مطالعہ کے بڑے خوگر تھے، اور مطالعہ کے سلسلہ میں ان کا دائرہ بڑا وسیع تھا تاریخ، فلسفہ ادب، علوم اجتماعیہ علوم دینیہ سب کا مطالعہ وہ بہت شغف و شوق سے کرتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو حافظہ کی دولت بھی فراوانی سے ملی تھی، اس لئے وہ سب ان کو بڑی حد تک یاد و مستحضر رہتا تھا، چنانچہ ان کی مجلس بڑی باغ و بہار ہوتی، ان کی تدریس سے طلبہ کو بڑا فائدہ پہونچتا، مجالس مذاکرہ نیز علمی محافل میں بھی ان کا حصہ موثر اور مفید رہتا، چنانچہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے لئے وہ بہت قیمتی متاع تھے جس سے ندوۃ العلماء محروم ہو گیا، اور اب اس قحط الرجال زمانہ میں جب کوئی ایسی شخصیت جدا ہوتی ہے تو وہ اپنا بڑا خلا چھوڑ جاتی ہے جس کے پر ہونے کی بظاہر کوئی توقع نہیں ہوتی۔

مولانا مرحوم جون پور کے ایک معروف علمی گھرانے کے فرد تھے، ان کے والد مولانا دین محمد صاحب ایک معروف اہل علم و استاد تھے، جن کو مولانا ابوبکر صاحب شیث سابق صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے تلمذ حاصل تھا، چنانچہ مولانا مرحوم کو مولانا ابوبکر صاحب کے گھرانہ سے خصوصی ربط تھا، اور چونکہ مولانا ابوبکر صاحب کو حضرت سید احمد شہید کے گھرانے سے روحانی ربط تھا، اسکی وجہ سے مولانا مرحوم بھی اس گھرانہ سے ایک ربط محسوس کرتے تھے، اسی ربط کے تعلق سے ہی مولانا مرحوم کو حضرت مولانا علی میاں صاحب سے خصوصی ربط و تعلق تھا

مولانا مرحوم کی طبیعت میں خوش اخلاقی و ہمدردی خاصی نمایاں تھی جسکی وجہ سے اساتذہ و طلباء سب ان سے مانوس رہتے، چنانچہ ان کے انتقال پر بے حد تاثر محسوس کیا گیا جس کا اظہار ان کے جنازہ کے وقت صاف طور پر دیکھا گیا، مولانا مرحوم نے خطابت و تصنیف کو اپنی علمی زندگی کا اصل مشغلہ نہیں بنایا۔ انھوں نے علمی مطالعہ اور تدریسی افادہ پر ہی اصل زور رکھا، اس لئے وہ کوئی خاص صاحب تصنیف یا خطیب نہیں ہوئے۔ لیکن پھر بھی اس دائرہ میں بھی ان کا تھوڑا بہت حصہ ہے۔ انھوں نے بعض اہم کتابوں کے ترجمے کئے، متعدد اہم مضامین لکھے، جن میں سے بعض نے مختصر کتابوں کی صورت بھی اختیار کر لی ہیں۔ مولانا کے تبحر علمی کا اصل مظاہرہ علمی محافل میں ہوتا تھا جب کسی علمی موضوع پر اہل علم میں تبادلۂ خیال ہوتا وہاں سے مولانا کے وزنی تبصروں اور رایوں سے حاضرین کو رہنمائی ملتی اور فائدہ پہونچتا۔

مولانا ابوالعرفان خاں صاحب ندوی کے زمانۂ طالب علمی کے قریبی رفقاء میں مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی پروفیسر ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ، مولانا سید وصی مظہر ندوی سابق وزیر امور مذہبی پاکستان، مولانا مجیب اللہ ندوی ناظم "جامعۃ الرشاد" اعظم گڈھ، مولانا محمد معین اللہ ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء، پروفیسر عبدالحلیم ندوی استاد جواہر لال یونیورسٹی دہلی، اور مولانا عبدالغفار صاحب ندوی ناظم جماعت اسلامی یوپی، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے جو ندوۃ العلماء کے سربراہ ہونے کے ساتھ ساتھ مولانا ابوالعرفان خاں صاحب کے استاد بھی رہے ہیں، اس واقعہ سے بڑا رنج و ملال محسوس فرمایا، خاص طور پر مولانا ابوالعرفان صاحب کی وسیع علمی واقفیت کو سراہتے ہوئے ان کے اس پہلو سے بھی اس حادثہ کو بڑا حادثہ قرار دیا۔

مولانا موصوف اپنے علمی مقام کے احساس سے مغلوب نہیں رہتے تھے وہ جب عمومی باتیں کرتے تھے۔ تو انکی علمی حیثیت کا اندازہ نہیں ہوتا تھا، وہ بے تکلف رفقاء میں بے تکلف عمومی انداز کی باتیں کرتے اور جب علمی موقع ہوتا اور بات مولانا کے بولنے کی آجاتی تو ان کی علمی وسعت و پختگی کا اندازہ ہوتا

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریس کے ساتھ بعض اہم انتظامی معاملات کی ذمہ داری بھی وہ انجام دیتے رہے۔ لیکن اکثر مدت تدریس میں گذاری، سابق مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی امیر "تاج المساجد" بھوپال رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی انتظامی خصوصیت کو سب سے پہلے محسوس کیا تھا اور اس پہلو سے ان کی بڑی قدر دانی کی تھی پھر مولانا نے اس سلسلہ میں بھی دارالعلوم کی بڑی خدمت انجام دی شروع میں مولانا نے تقریر و خطابت سے بہت کم دلچسپی لی لیکن عمر کے آخری حصہ میں اس خدمت کو بھی انجام دینے لگے تھے خاص طور پر جب موضوع علمی ہو چنانچہ انتقال سے چند روز قبل ہی انھوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی دعوت پر یونیورسٹی کے اسٹریچی ہال میں سیرت پر تقریر کی، مولانا کی صحت اس موقع پر اچھی نہ تھی، لیکن اپنی صحت کے سلسلہ میں بے فکری کا طرز رکھتے تھے، اسی کی وجہ

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

مولانا علی میاں کی شخصیت
المرتضیٰ کی خصوصیت

● پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی

ہمارے ایک معلم مفکر نے کہا ہے کہ قوت ارادی، قوت فکر، حس جاعتی کی ذکاوت اور طبیعت کی ہیجان پذیری ان نے عناصر اربعہ کی شخصیت و سیرت کی تعمیر میں بڑی ضرورت ہوتی ہے یہاں موقع نہیں ورنہ میں کاروان زندگی سے شواہد و اقتباس پیش کر کے یہ دکھانے کی کوشش کرتا کہ انہوں نے بعض بڑی اور اہم روحانی شخصیتوں کی اخلاقی مثالوں اور مخلصانہ دعاؤں کے سائے میں جن کا شمار اس صدی کے ممتاز ارباب عزیمت و دعوت میں ہوتا ہے اپنی تعلیم و تربیت میں اپنے اندر ان عناصر اربعہ کی تہذیب سے، کسطرح اپنی تہذیب نفس کا کام لیا۔ تہذیب نفس کا کام معمولی کام نہیں ہے اس میں تو اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ بڑے بڑے مردان کار تھک کر بیٹھ گئے ہیں یہ کام در اصل جہاد زندگی میں ایک سپاہی کا کام ہے 'وہ سپاہی جو باطل کی ان قوتوں ہی سے برسر پیکار نہیں ہوتا جو خارج سے زندگی بگاڑنا چاہتی ہیں بلکہ باطل کی ان طاقتوں سے بھی جو نفس کے اندر اندر روح کی جڑوں کو گھن کی طرح کھاتی رہتی ہیں' جن کی چھپی ہوئی فوج روح کی مملکت کو تاراج کرتی ہے اور اخلاق حسنہ کی بستیوں کو اجاڑتی رہتی ہے، سچا مجاہد ان سے بھی لڑتا ہے اور ان سے بھی' یہ جماعت کی زندگی کو بھی اقتدار عالیہ کا خادم بنانا چاہتا ہے اور اپنی شخصی صلاحیتوں کو بھی۔ اسکا ثبات قدم' اس کی خود اعتمادی اس کا خلوص' اس کا اقتدار عالیہ پر ایمان محکم' اس پیکار حیات میں اس کے ہتھیار اور ضبط نفس' بے غرض خدمت' اور اخلاقی جرات اس جہاد میں اس کے رفیق راہ ہوتے ہیں" ہمیں علی میاں کی شخصیت و سیرت میں ایک ایسے ہی مجاہد کا سراغ ملتا ہے۔

ایک اور اثر جو مولانا علی میاں کی سیرت کی تشکیل میں شامل ہے خاندانی پس منظر تعلیم اور ماحول کے زیر اثر رہا ہے' اقبال کا اثر ہے۔ ان کی شخصیت کی جو اٹھان تھی اس کا تقاضا تھا کہ کلام اقبال کو وہ خود انہیں کے الفاظ میں اپنے خوابوں کا ترجمان اور اپنے دل کی زبان محسوس کریں کہتے ہیں "سب سے بڑی چیز جو مجھے (اقبال کے) فن کے طرف لے گئی وہ بلند حوصلگی محبت اور ایمان ہے جس کا حسین امتزاج ان کے شعر اور پیغام میں ملتا ہے۔۔۔۔ میں بھی اپنی طبیعت اور فطرت میں انہیں تینوں کا دخل پاتا ہوں" [1]

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

بلند حوصلگی' محبت' ایمان' دعوت و عزیمت ان سب سے مل کر جو شخصیت بنتی ہے اس کی ایک خاص جھلک اس شعر میں دیکھی جا سکتی ہے۔

میرے خیال میں یہ محض حسن اتفاق نہیں بلکہ ایک اشارہ غیبی تھا کہ مولانا علی میاں کی زندگی کے ایک خاص مرحلے میں جب ان کی عمر انیس' بیس برس کی ہوگی ان کے دل میں سیرت سید احمد شہید کی تصنیف کا داعیہ اور کلام اقبال کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا یہ بات گویا اقبال کے اس مصرع کی صحیح تعبیر تھی [2]

سپاہ تازہ برانگیزم از ولایت عشق

اسی کے ساتھ سیرت سید احمد شہید کے مقدمہ کے درج ذیل ٹکڑے کو پڑھیے "ٹونک میں مئی ۱۹۳۶ء کی ایک صبح طلوع آفتاب سے قبل دریائے بیاس کے کنارے جہاں سید صاحب" اور ان کے پاکباز مجاہدین نے بارہا وضو کیا ہوگا مولانا نے بڑے ولولے اور اپنے خاص اسلوب میں قلمبند کیا تھا۔ انہوں نے لکھا تھا "کیفیات ایمانی کے جاں نواز جھونکے تاریخ اسلام میں بارہا چلے ہیں لیکن ایمان و یقین اور خلوص و للہیت کی ایسی باد بہاری ہمارے علم میں کم سے کم اس ملک میں اس سے پہلے نہیں چلی' نہ اس سے پہلے اتنے بڑے پیمانے پر عزم و توکل' جوش جہاد' ایمان و احتساب شوق شہادت اور یقین آخرت کے ایسے نمونے دیکھنے میں آئیں' آدم گری اور مردم سازی' اصلاح و انقلاب کے ایسے محیر العقول واقعات بھی اصلاح و تربیت کی تاریخ میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں" [3] یعنی ایک لفظ میں آنحضرت کے ساتھ [5]

آب رواں بجاس تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب

کاروان زندگی میں علی میاں لکھتے ہیں کہ "یہ بڑا مبارک آغاز تھا اور اس سے میری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ مجھے خود اس کا اندازہ نہ تھا کہ یہ اقدام خود میری زندگی میں انقلاب انگیز بلکہ عہد آفریں ثابت ہوگا اور یہ کتاب ہندوستان میں اتنی مقبول اور دینی حلقہ میں میرے تعارف اور بزرگوں کے یہاں قرب کا ذریعہ بنے گی۔ بقول شاعر [4]

حکایت از قد آں یار دلنواز کنیم
باین بہانہ مگر عمر خود دراز کنیم

ہمارے مصنف کو تاریخ و تذکرہ کا ذوق ورثے میں ملا ہے۔ یہی حال ان کے ادبی ذوق کا بھی ہے۔ جن حضرات نے ان کے والد رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں' نزہۃ الخواطر' الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند' یاد ایام اور گل رعنا' وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے اور غور سے کیا ہے وہ اس بات کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہمارے علی میاں کا ذوق تاریخ نگاری کیسے ذہنی' علمی اور ادبی ماحول کا پروردہ اور تربیت یافتہ ہے۔ تاریخ اپنی اصلی شکل میں قوموں اور معاشروں کے عروج و زوال کی داستان' اور اگر دیدہ عبرت وا ہو تو انفس و آفاق میں آیات اللہ کی آئینہ دار ہوتی ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ تاریخ انسان کو دانشمند بناتی ہے' اور اگر کسی تاریخ و تذکرہ نگار کے یہاں تاریخ کی دانشمندانہ فہم کے ساتھ اس کا ادبی ذوق بھی شامل ہو جائے تو ایسے مصنف کے قلم سے لکھی گئی تاریخ' تاریخ بھی ہوتی ہے اور ادب بھی تاریخ نگاری میں ایک ایسی طرز تعبیر سے کام لیا جاتا ہے جسے Reasonable کہتے ہیں' یعنی معقول Conjective — قیاس آرائی' اور مدلل تعبیر و تشریح خالص معروضی و مجرد اسلوب نگارش میں یہ طرز تعبیر چوب خشک بن کر رہ جاتا ہے ویسے اپنی جگہ اس کی بھی اہمیت ہے لیکن اس سنگتی رہنے والی چوب نم سوز کی بات ہی اور ہے جسے ہم تاریخی تناظر کے ساتھ علمی Intuitive Re-asoning اصطلاحی زبان میں کہہ سکتے ہیں' یعنی جالس وجدان منطقی استدلال کو گرمی و روشنی بخشتا ہے اور اس سے اس تاریخی بصیرت کی نمود ہوتی ہے جو واقعات کی مزاج داں ہوتی ہے' اور تاریخ کے زمانی وسعتوں اور اس کے باطن میں ایسے حقائق کا صاف مشاہدہ کر سکتی ہے' جیسے

آگ بجھی ہوئی ادھر ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گذرے ہیں کتنے کارواں

مجھے محسوس ہوتا ہے کہ مولانا علی میاں اس تاریخی بصیرت کے حامل ہیں تاریخ کا کوئی واقعہ ہو اس میں جان پڑتی ہے اس وقت جب اس کے پس منظر اور محرکات کے ساتھ اسے دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی جائے اور یہ بھی دیکھا جائے کہ اس خاص واقعہ کا مستقبل پر کیا اثر پڑا اسی طرح اقوال و افکار کو ان کے حقیقی پس منظر میں دیکھنا چاہئے اور اگر کسی شخصیت سے متعلق کوئی معاملہ ہو تو اس کی پوری زندگی کو سامنے رکھ کر اس معاملہ کو جانچنا چاہئے ورنہ تو اکثر صورتوں میں نتیجے غلط اور رائیں گمراہ کن ہو سکتی ہیں' یہ بھی ضروری ہے کہ مراجع و ماخذ مستند ہوں خواہ وہ ایسے مصنفین' و مورخین کی کتابیں ہوں جن کی گروہی یا مسلکی جانبداری واضح ہے اصل اہمیت سچائی کی تلاش کی ہے اس کی نہیں کہ وہ کہاں ملتی ہے۔ [6]

تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں داخل مصنف کے یہاں متعلقہ زمانے کی روح کو گرفت میں لانے کا رجحان ملتا ہے۔ دعوت و عزیمت ہو تہذیب و تمدن ہو' سیرت و تذکرہ ہو ہر جگہ اپنے اسی رجحان کو برتا ہے اس لئے ان کی اس طرح کی تحریروں میں بڑی حد تک زندگی سے بھرپور واقفیت ملتی ہے سیرت و تذکرہ نگاری کے سلسلہ میں اس کی وضاحت انہیں کے الفاظ میں یوں ہے' تاریخ دعوت و عزیمت کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں۔

"ان شخصیتوں کی سیرت اور تذکرہ کے سلسلہ میں ان کے گرد و پیش اس زمانے کی علمی فکری اور کام کے میدان کی وسعتوں کو نگاہ کے سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ ان شخصیتوں کی صحیح عظمت اور ان کی کامیابی کی مقدار کا تعین ہو سکے اور اس دور اس ماحول کی کامیابی کے امکانات کا صحیح اندازہ کر کے ان کو تاریخ میں صحیح مقام دیا جا سکے کسی شخصیت کو اس کے ماحول سے نکال کر

---

[1] ابوالحسن علی ندوی "نقوش اقبال" لکھنؤ ۱۹۷۶ء، ص ۲۲۵۔ [2] ابوالحسن علی ندوی "سیرت سید احمد شہید" جلد اول لکھنؤ ۱۹۸۰ء ص ۳۶۔ [3] ابوالحسن علی ندوی "کاروان زندگی" جلد اول لکھنؤ ۱۹۸۳ء صفحات ۱۴۰-۱۴۹۔ [4] [5] ملاحظہ "المرتضیٰ" کی تالیف میں مصنف نے نہج البلاغہ کے مشہور معتزلی شارح ابن ابی الحدید کی متعلقہ جلدوں سے استفادہ کیا ہے مصنف محترم نے اس کی بھی ...

سوال و جواب

— محمد طارق ندوی

سوال :- بعض لوگ نماز میں اپنے ہاتھ کو کمر پر رکھ لیتے ہیں کیا یہ درست ہے؟

جواب :- نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

سوال :- جمعہ کی نماز میں امام کے خطبہ دینے کے وقت جو لوگ موجود تھے وہ کسی ضرورت سے چلے گئے، پھر دوسرے لوگ آ گئے اور امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئے، تو کیا نماز جمعہ صحیح ہو جائے گی؟

جواب :- ہاں نماز جمعہ صحیح ہو جائے گی فتاوی عالمگیریہ میں ہے "ولو خطب الامام یوم الجمعۃ ونفر الناس و جاء آخرون وصلی بھم الجمعۃ اجزاھم۔ کتاب الصلاۃ ص ۲۰۷۔

سوال :- کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ علم حاصل کرو چاہے اس کے لئے چین کا سفر کرنا پڑے؟

جواب :- اطلبوا العلم ولو بالصین علم حاصل کرو چاہے اس کے لئے چین کا سفر کرنا پڑے اس روایت کو بیہقی، خطیب، ابن عبدالبر اور دیلمی وغیرہم نے حضرت انسؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے مذکورہ روایت ضعیف ہے۔

سوال :- ہمارے یہاں آندھرا پردیش میں یہ رواج ہے کہ جب فرض نماز ختم ہو جاتی ہے تو دعا مانگتے وقت دعا کے اخیر میں "الفاتحہ" بول کر سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے پھر ان اللہ وملٰئکتہ کہہ کر اس کے بعد درود شریف پڑھا جاتا ہے کیا شرعاً یہ درست ہے؟

جواب :- یہ مروجہ طریقہ بدعت ہے کیونکہ صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین نماز کے بعد اس طرح سے دعا نہیں مانگتے تھے بعد کے لوگوں نے اپنی طرف سے یہ طریقہ ایجاد کر لیا ہے اور ضروری قرار دے دیا ہے۔

سوال :- ایک بچہ نے ایک عورت کا دودھ دس سال کی عمر میں استعمال کیا، کیا مذکورہ عورت بچہ کی رضاعی ماں ہو گی یا نہیں؟

جواب :- مذکورہ عورت بچہ کی رضاعی ماں نہیں ہو گی، کیونکہ بچہ کے ایام رضاعت کے بعد دودھ پی لینے سے رضاعی رشتہ ثابت نہیں ہوتا ہے۔

سوال :- کیا قبر کے سرہانے کوئی پتھر وغیرہ علامت کے طور پر رکھ دینا درست ہے؟

جواب :- قبر کے پہچاننے اور اس کے معلوم کرنے کیلئے، اس کے سرہانے کوئی بھاری پتھر رکھ دینا یا نصب کر دینا جائز ہے

حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پر بطور علامت ایک بڑا پتھر رکھا۔ ابن ماجہ۔ ابوداؤد۔

اپنے ماحول میں لاکر اپنے زمانے کے پیمانوں اور تقاضوں اور اپنے ذاتی رجحانات اور خواہشات کے معیار سے جانچنا ۔۔۔ بڑی ناانصافی اور کوتاہ نظری ہے۔۔۔" [۱]

خلفائے راشدین کا عہد اور بالخصوص حضرت عثمان اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا زمانہ خاصہ مشکل زمانہ تھا۔ اس زمانہ کی مشکلات میں اس عہد اور متعلقہ علاقوں کے عمرانی حالات اور بعض گروپ Groups کی قبائلی مزاجی اور نفسی خصوصیات کو بھی ضرور دخل تھا اس لئے اس عہد کے واقعات کا مطالعہ کرتے وقت ان حالات و عوامل سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا اور تحسین و تعریف کی مستحق ہے یہ بات کہ ہمارے مصنف نے اپنی تصنیف المرتضیٰ میں نہ صرف یہ کہ ان سے صرف نظر نہیں کیا ہے، بلکہ جدید طرز تحقیق کے اس خاص پہلو کو انصاف اور توازن کے ساتھ برتا ہے اس لحاظ سے بھی علی میاں کی یہ تصنیف جو کئی لحاظ سے ایک اہم تصنیف ہے علم و تحقیق کی دنیا میں ایک خاص امتیاز کی حامل ہے۔ [۲]

المرتضیٰ امیرالمومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی مفصل سوانح حیات ہے لیکن سوانحی واقعات کے علاوہ اس میں خاص طور پر جن موضوعات پر مستند تاریخی شواہد اور تجزیاتی اور تقابلی مطالعے کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔ خاندانی خصوصیات، وہبی کمالات، خلفاء کی ترتیب زمانی میں حکمت الٰہی، خلفائے ثلاثہ کے ساتھ آپ کا بے نظیر اخلاص و تعاون، خلافت مرتضوی کا عہد اور اس کی مشکلات، بے مثال زاہدانہ سیرت، فرزندان والا مرتبت کی سیرت و اخلاق اور ان کے اپنے اپنے عہد کے صحیح فیصلے اور اقدامات اور پھر تاریخ و تمدن اسلامی میں آل رسولؐ یعنی سادات کرام کا قائدانہ اور تاریخ ساز کردار ۔۔۔ اور جیسا کہ باخبر لوگوں کو معلوم ہے ان موضوعات میں کئی ایسے ہیں جن سے متعلق بڑے اختلافات رہے ہیں اور اس میں غیر معقول جذباتیت کو خاصا دخل رہا ہے ہمارا خیال ہے کہ اگر المرتضیٰ کا مطالعہ اس جذباتیت سے الگ ہو کر کیا جائے گا تو پڑھنے والے اس میں ایک ادبی حسن اور خوشگوار توازن پائیں گے

اور تاریخ کی مستند کتابوں کے حوالے سے جو ناقابل انکار واقعات و حقائق پیش کئے گئے ہیں، ان سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ اس سلسلہ میں یہاں دو باتوں سے متعلق خاص طور پر آپ کی توجہ کا طالب ہوں ایک یہ کہ المرتضیٰ کے مصنف نے خلفائے راشدین کے عہد خلافت کی ترتیب زمانی کو حکمت الٰہی کا مظہر بتایا ہے اور اس سے متعلق قوی اور اطمینان بخش دلائل دئے ہیں ہمارا خیال ہے کہ اب تک کسی نے اس مسئلہ پر اتنے یقین و اعتماد کے ساتھ اور اس قدر وضاحت سے نہیں لکھا ہے، ایمان والوں کے نزدیک اصول معروضیت سے کسی معذرت کے بغیر، یہ بات بڑی اہم اور ایمان پرور ہے، اور جن دیانتدار مؤرخین نے مذکورہ عہد کی تاریخ اسلام کا اس عہد کی خصوصیات خاص طور پر عربوں کی طبیعت، رسم و رواج عام عمرانی حالات اور پھر عربوں کی ملکی فتوحات اور اسلام کے مہتم بالشان تیز رفتار پھیلاؤ کے پس منظر میں اور مستقبل کے شاندار امکانات کے تناظر کے ساتھ کیا ہے وہ مصنف کے استدلال اور تاریخی خبر و نظر دونوں کی داد دیں گے دوسری بات یہ ہے کہ فاضل مصنف نے امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس گہرے اخلاص و تعاون کی ایک مستند و خوبصورت تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے جو اپنے پیش رو خلفائے ثلاثہ کے ساتھ آپ کی محبوب سیرت کا انتہائی تابناک پہلو اور رحماء بینھم کی عملی تعبیر تھی۔ کتاب کے یہ ٹکڑے اس قابل ہیں کہ بار بار پڑھیں جائیں اور ان سے فکر کی گرمی اور نظر کی روشنی حاصل کی جائے۔

المرتضیٰ کے دیباچہ میں جس کا عنوان "ضمائے گفتنی" ہے علی میاں نے بڑے درد و سوز سے اس ناقابل انکار حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ سیدنا علیؓ کی نادر روزگار اور عبقری شخصیت و سیرت کا مطالعہ ان لوگوں نے بھی جو ان کے عظمت کے گن گاتے ہیں اور ان کے نام پر اپنے عقائد کی عمارت تعمیر کئے ہوئے ہیں ۔۔۔ معروضی و تحقیقی انداز میں نہیں کیا، وہ دعمولی، اخلاقی معیار اور وہ اقدار کیا تھے جن کی سربلندی ان کی دل کی سب سے بڑی آرزو تھی اور وہ معاشرتی اور سیاسی حالات و مشکلات کیا تھی جن میں گھرے رہنے کے باوجود انہوں نے اپنے اس آرزو کی تکمیل کی ۔۔۔ ان امور کا تجزیاتی مطالعہ کے بغیر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سیرت کا مطالعہ ناقص اور ان کے ساتھ ناانصافی کا موجب ہو گا اور اب تک اس ناانصافی اور حق تلفی کی اصل ذمہ داری مصنف کے نزدیک فن تاریخ نویسی کا وہ مقلدانہ مزاج و انداز ہے جو اپنی سہل انگاری کے سبب عام طور پر مؤرخین اور سوانح نگار اختیار کرتے رہے ہیں۔

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے اس خیال کو بھی ظاہر کر دوں کہ بنیادی طور پر علی میاں فن تاریخ و سیرت نگاری میں شبلی و سلیمان کے مکتب خیال سے تعلق رکھتے ہیں، ایک لحاظ سے ہم تاریخ نگاری کا ندوہ اسکول آف تھاٹ بھی کہہ سکتے ہیں اس کی بعض جہتیں نمایاں تھیں لیکن بعض دبی ہوئی تھیں جنہیں علی میاں صاحب نے ابھار کر ان کی توسیع کی اور اسی کے ساتھ خود اپنا ایک خاص مقام پیدا کیا یقین ہے کہ مولانا علی میاں کی یہ تصنیف اسی طرح مقبول ہو گی جیسے کہ مولانا شبلی کی الفاروق، کیا دلچسپ اور خوبصورت اتفاق ہے کہ یہ دونوں تصنیفی کارنامے یعنی الفاروق اور المرتضیٰ اسی مذکور ندوہ مکتب خیال کی دین ہیں۔ ——

[۱] ابوالحسن علی ندوی "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ اول، لکھنؤ، ۱۹۷۹ء، صفحات ۱۴-۱۳۔

[۲] المرتضیٰ باب ہفتم میں کتاب کے دوسرے حصوں کے علاوہ اہل عراق اور اہل شام کے درمیان تاریخی و عمرانی اثرات کے تحت طبائع کا جو فرق نمایاں تھا اور اس کے جو نتائج نکلے اس کے بارے میں مصنف نے خاصا مواد و معلومات ۔۔۔

مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آسمانی کتابوں میں!

عبدالکریم پاریکھ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ورفعنا لک ذکرک ٥

(ترجمہ) اور ہم نے آپ کا تذکرہ بلند کر دیا۔

"اک نام مصطفیٰ ہے جو بڑھ کر گھٹا نہیں

ورنہ ہر اک عروج میں پنہاں زوال ہے"

وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین ٥

محسن انسانیت، صاحب قرآن سیدالانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح، شان، منقبت اور آپ کی توصیف میں کمال احتیاط، سنجیدگی، شائستگی، کمال ادب و پاکیزگی اور جذبۂ عشق رسولؐ میں حد درجہ سرشاری نیز درد و اثر، سوز و تپش، ہوش و فہم کے ساتھ مقام محمدؐ کا پورا ادب و احترام ملحوظ رکھنا ضروری ہے وارفتگی یا ترنگ میں آکر کوئی حد اعتدال اور دامن ادب چھوڑ دے تو اجر و ثواب کی جگہ عتاب کا کھٹکا لگا ہوا ہے۔

یہ ایک ایسا پاکیزہ فن ہے جس کا تعلق دین کی خدمت سے جڑا ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ خدام ادب علماء و فصحاء کے نزدیک شعر و سخن کی اصناف میں سب سے زیادہ نازک صنف "نعت گوئی" ہے۔ اللہ رب العزت اس کے ملائکہ جس ہستی پر درود و سلام بھیجیں مخلوق جس کی توصیف کرے جس مبارک وجود کے توسل سے خالق و مخلوق میں رابطہ ہو گیا جس کے سینۂ مبارک پر تیئس برس تک تنزیل قرآن کا مقدس سلسلہ جاری رہا ہو روح القدس جیسے عظیم المرتبت فرشتے جن سے بالمشافہ ہمکلام ہوئے ہوں۔ جن کو معراج اور کوثر نصیب ہوئی ہو۔ جن کے ذکر سے قلب میں محبت، روح کو بالیدگی اور یقین کو پختگی نصیب ہو۔ اور جن کی آمد کی اطلاع تقریباً ہر رسول اور آسمانی کتاب نے دی ہو ایسی شان والے رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اپنی محبت اپنے اخلاص اور اپنی وفا کی نذر پیش کرنا۔ اور جذبات و احساسات کی ترجمانی کے لئے مناسب الفاظ کے انتخاب کے ساتھ اشعار کہنا "نعت گوئی" ہے۔

آسمانی تخاطب

تھک کے جبریل بھی رستے سے پلٹ آتے ہیں

کتنا اونچا ہے خدا جانے مسلماں کا مقام

مالک حقیقی نے اپنے محبوب کی تعریف میں کہیں "یا ایھا المزمل" کہیں "یا ایھا المدثر" کہیں "طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ" کہیں "بشیراً ونذیراً" کہیں "وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین" کہیں "خاتم النبیین" کہیں "ما زاغ البصر" کہیں "انک لعلیٰ خلق عظیم" کہیں "انا اعطینٰک الکوثر" اور "ورفعنا لک ذکرک" فرما کر مدارج و مقامات کی نشاندہی کر دی۔

الحمدللہ کا شکر ہے اس وقت ہم ایسے عنوان پر گفتگو کر رہے ہیں جس کا ذکر دیگر آسمانی کتابوں کے علاوہ قرآن مجید میں بار بار دکھائی دیتا ہے۔ قرآن مجید میں خدا نے اپنے پیغمبروں پر درود و سلام کا تحفہ اکثر مقامات پر پیش فرمایا ہے اور اس کی تلقین، تاکید اور تعلیم اہل ایمان کو بھی فرما دی۔

درود و سلام

الحمدللہ اہل ایمان آج بھی اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیگر تمام پیغمبروں پر درود و سلام پڑھتے ہیں اور قیامت تک ان شاء اللہ پڑھتے رہیں گے۔ زمین پر بسنے والی انسانی آبادی میں یہود، نصاریٰ اور مسلمان۔ ان تینوں اہل کتاب قوموں نے انبیاء و مرسلین کی مدح ان کی تعریف و توصیف اسوۂ حسنہ، منقبت عزت و احترام کو دین کا ایک اہم جز سمجھا اور امر واقعہ بھی یہی ہے۔

لیکن اہل کتاب جب اپنی کتاب سے دور اور انبیاء کی تعلیم سے غافل ہوئے تو نیتوں میں بگاڑ کے سبب ان کے مادہ پرست ابن الوقت جعلی مذہبی رہنماؤں نے دین و شریعت پر ڈاکہ ڈالا۔ چور اگر بدنیت ہو کر اپنے ہی گھر کے اسباب پر ہاتھ ڈالنے لگے تو پھر اس گھر کی خیر نہیں۔ یہی معاملہ اہل کتاب امتوں کے ساتھ پیش آیا۔

فرمانِ الٰہی

ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی، یاایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ٥

اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی نبی پر رحمت بھیجا کرو۔ اور تم پر لازم ہے کہ ہدیۂ درود و سلام جاری رکھتے ہوئے اللہ کے نبی کے تابع فرمان بنے رہو۔

۲۲۔ الاحزاب آیت ۵۶

احوالِ امتِ سابقہ

پچھلی امتوں میں اپنے نبی پر درود و سلام کا طریقہ اب نہیں رہا بلکہ قریب قریب ہر امت نے اپنے نبی کو خدا یا خدا کا شریک بنایا تو کسی نے اپنے نبی کو اللہ کا بیٹا بنا دیا۔ اس وجہ سے ان کے نبیوں کی طاعت سے بغاوت اور نافرمانی کا راستہ کھل گیا۔ پھر نبی کو نبی اور رسول جب تک مانا جائے ہدیۂ درود و سلام لازم ہے لیکن جب نبی کو خدا یا خدا کا شریک بنا دیا گیا تو درود سے چھٹی ہو گئی۔ نبی کے ہاتھ سے ہاتھ چھوٹ گیا۔ اور خداؤں کی فہرست طویل ہو گئی۔ لیکن اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب اور آپ کی مبارک زندگی اور آپ کی شریعت زندہ ہے۔ اور قیامت تک آپ کی دعوت جاری رہے گی۔ اس لئے یہاں اہل ایمان کو فرمایا کہ اپنے نبی کا احسان، عظمت اور اکرام یاد رکھیں اور ان پر سلامتی کا تحفہ ہدیۂ سلام و درود بھیجتے رہیں۔ اور نماز میں بھی اس کا انتظام رکھا گیا کہ نمازی تعدہ میں دو زانو بیٹھ کر ادب سے درود شریف پڑھ کر دعا کے بعد سلام پھیر کر نماز سے باہر آتا ہے۔

مجلسِ شعر و سخن

اوقات نماز کے بعد عام سماجی زندگی میں دینی و ملی جلسے ہوں، اجتماعات اور تقریبات ہوں۔ شعر و سخن کی مجالس ہوں یہاں بھی نعت گوئی اور منقبت رسولؐ عبادت سے کم نہیں بلکہ عین دین حنیف کا تقاضہ ہے۔

ہمارے ہندوستان میں اردو زبان اور اس زبان کو سمجھنے سنوانے والے ادیبوں اور شاعروں نے اپنے اس فن کا جو مظاہرہ کیا ہے اسے بہر حال عالمی سطح کی ایک زبردست کامیاب کوشش کہنی چاہئے

حدِ اعتدال

قرآن مجید کا گہرا مطالعہ کرنے سے ہر عاقل و بالغ پر یہ بات کھل جاتی ہے کہ انبیاء کی تعریف و توصیف میں ان کی امتیں جب تک حد اعتدال کی پابند رہیں تب تک ان کے اندر اپنے زمانے کے پیغمبروں کے لئے ہدیۂ سلام و درود جاری و ساری رہا۔ اور جب امتوں نے اپنے نبیوں کی منقبت میں غلو کیا تو درود و سلام کی راہ ان پر بند ہو گئی۔

ذکرِ مبارک

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سابقہ آسمانی کتب توریت، زبور، انجیل صحف ابراہیم اور صحیفۂ موسیٰ کا تذکرہ فرما کر ساری دنیا میں ان کتب کی صداقت کا اعلان کرا دیا اور ان کے نام و نشان کو قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا حالانکہ یہ آسمانی کتابیں اب اصل شکل میں باقی نہیں رہیں۔ اور زبردست تحریف سے پُر ہیں۔ اتنی تحریف کے باوجود ان صحیفوں میں حضورؐ کے ذکر مبارک آپ کے آمد کی پیش گوئی اور خوش خبری کو مٹایا نہ جاسکا جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ کا قول مبارک ہے:

"ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد"

"اور بشارت سناتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آنے والا ہے جس کا نام احمد ہو گا۔"

آداب و القاب اناجیلِ اربعہ میں

آج بھی "اناجیل اربعہ جن پر مسیحی دنیا متفق ہے۔ ان میں رسول مقبول کی محمد و ستائش کے ساتھ آپ کی بعثت کی پیش گوئی موجود ہے۔ کہیں آپ کو "دنیا کا سردار" "مددگار" "سچائی

کی روح" "ابد تک رہے گا" "سچائی کی راہ دکھائے گا" اور" خود عیسیٰ کی گواہی دے گا" ان آداب والقاب سے یاد فرمایا ہے۔

فارقلیط اور منحمنا

یونانی زبان میں آپ کے نام مبارک کے لئے" فارقلیط" اور "منحمنا" کا استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی سوائے" محمدؐ" کے اور دوسرے ہو ہی نہیں سکتے۔ عیسائی دنیا میں جو چاروں اناجیل قانون اور معتبر قرار دی گئی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کا بھی لکھنے والا نہ تو حضرت عیسیٰ کا صحابی تھا۔ اور نہ کسی نے ایسا دعویٰ کیا ہے۔ لیکن اب بھی مسیحؑ کی بشارت احمدؐ انجیل میں موجود ہے۔

معتبر انجیل" برنباس"

برخلاف اس کے انجیل برنباس جسے مسیحی اکثریت غیر معتبر، متروک و ممنوع قرار دیتی ہے۔ اس کا مصنف خود مسیح کا صحابی ہے۔ وہ کہتا ہے..... کہ......

میں مسیحؑ کے بارہ اولین حواریوں میں سے ایک ہوں۔ اور رخصت ہوتے وقت عیسیٰ نے مجھ سے کہا تھا کہ میرے متعلق لوگوں میں جو غلط فہمیاں پھیل گئی ہیں ان کو صاف کر اور صحیح حالات دنیا کے سامنے لانا تیری ذمہ داری ہے۔

"انجیل برنباس" کے شواہد

یہی وجہ ہے کہ" انجیل برنباس" میں مسیح علیہ السلام" اناجیل اربعہ" کی بہ نسبت اپنی شان میں بہت زیادہ ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ اور انجیل برنباس میں ان تضادات کا عنصر بھی نہیں جو چاروں اناجیل میں اور ان کے مختلف اقوال و احوال میں موجود ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف و منقبت اور بشارت سے بھرپور" برنباس" کے چند اقتباسات مختصراً پیش ہیں۔

(۱) تمام انبیاء جن کو خدا نے دنیا میں بھیجا۔ جن کی تعداد ایک لاکھ ۴۴ ہزار تھی۔ انھوں نے بات کی مگر میرے بعد تمام انبیاء کی کہی باتوں پر روشنی ڈالے گا وہ خدا کا رسول ہے۔ (باب ۱۷)

(۲) مگر خدا کا رسول جب آئے گا گویا خدا اس کو اپنے ہاتھ کی مہر دے گا..... وہ دنیا کی تمام قوموں کو جو اس کی تعلیم پائیں گی، نجات اور رحمت پہنچا دے گا... وہ.... بت پرستی کا ایسا قلع قمع کریگا کہ شیطان پریشان ہو جائے گا.... کہ... وہ.... بنی اسماعیل میں سے ہوگا..

(باب ۴۳)

(۳) وہ ایک ایسی صداقت کے ساتھ آئے گا جو انبیاء کی لائی ہوئی صداقت ہوگی۔ (باب ۷۲)

(۴) سو اس کا نام مبارک" محمدؐ" ہے۔ (باب ۹۷)

(۵) مگر جب" محمدؐ" یعنی خدا کا مقدس رسول آئے گا تو میری بدنامی دور کر دی جائے گی..... کہ لوگ یہ جان لیں گے کہ میں زندہ ہوں۔ اور.... اس ذلت کی موت سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

(۶) لہٰذا جب اللہ کا رسول آئے گا تو اس لئے آئے گا کہ ان ساری چیزوں کو صاف کر دے جن سے بے خدا لوگوں نے میری کتاب کو آلودہ کر دیا۔

(باب ۱۲۴)

باوجود اس حقیقت کے کہ قرآن مجید سے پہلے کی تمام آسمانی کتابیں اب اپنی اصل شکل میں باقی نہ رہیں۔ لیکن سلام ہو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ کو ایسی کتاب عطا ہوئی جو سابقہ کتب پر" مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ" سب کتابوں پر نگہبان۔ محافظ ہے:

"لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ"

" جسمیں آگے اور پیچھے سے کوئی غلطی آ ہی نہیں سکتی"۔

" وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ"

اور یقیناً ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

کے ساتھ ساتھ اس مبارک کتاب کا ایک وصف یہ بھی ہے:

"إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ"

یعنی" آپ سے پہلے کی تمام کتب اور انبیاء کے مشن میں اس بات کا تذکرہ آ چکا ہے:

شعراء کی حقیقت قرآن میں

تعریف و توصیف اور منقبت و نعت میں کلام پیش کرنا ہر آدمی کا کام نہیں۔ اس وادی میں شعراء کرام اور اس فن کے ادیب ہی اپنا جوہر دکھا سکتے ہیں۔ لیکن شاعر جب تک صرف شاعر ہے اور ایمان سے خالی ہے تو قرآن نے ایسے شاعروں کی خامیوں کو بے نقاب کیا۔

آیت ملاحظہ ہو:-

"وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝ ۲۲۴"

" أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۝ ۲۲۵"

" رہ گئے شاعر تو ان کی اتباع تو وہ لوگ کرتے ہیں جن کے پاس اپنی کوئی راہ نہیں ہوتی ۝ ۲۲۴"

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ شاعر ہر میدان میں ٹکراتے ہوئے حیران اور پریشان خیال پھرتے ہیں۔

(۲۶ - الشعراء آیت ۲۲۴-۲۲۵)

اکثر پیشہ ور شاعر رنگین خیالی اور تصور کی دنیا میں گمان کے محل بناتے ہیں۔ جن میں بہت سے خیالات کو حقیقت سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا۔ پھر بعضوں کی اس سے روزی روٹی بھی وابستہ ہوتی ہے۔ اس لئے عوام کو خوش کرنے کے لئے بے سرپیر کی باتیں جوڑ جاڑ کر سکہ جماتے ہیں۔ اسی لئے اللہ نے شاعری کو حضورؐ کی شایانِ شان نہیں بتایا: دیکھیے (۳۶، سورہ یٰس آیت ۶۹)

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ۝

ہم نے اپنے نبیؐ کو شعر شاعری نہیں سکھائی اور یہ علم ان کے شایانِ شان نہیں۔ انہیں تو نصیحت کا بھرپور بیان کرنے والا قرآن ہم نے عطا فرمایا۔

یہی بات ۶۹ ۔ سورۃ الحاقہ آیت ۴۰ اور ۴۱ میں بھی فرمائی:

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ۝

یہ فرمان ایک عزت والے قاصد کا لایا ہوا ہے۔ ۝ یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہو سکتا تم کو اپنے ایمان کا بہت کم دھیان رہ گیا ہے ۝ ۴۱

بعض اوقات شاعر عشقیہ شاعری میں ترنگ پیدا کرنے کے لئے اپنی محبوبہ کے لئے آسمان سے تارے توڑ کر لانے کی بات کرتے ہیں۔ مگر اندھیرے میں پاؤں باہر نکالتے ان کا دم گھٹتا ہے اسی طرح جنگ نامے اور لڑائیوں کے تذکروں میں تلواروں کی جھنکار کو نظم میں پرو دیں گے۔ مگر خود کسی خطرہ کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔

سورہ شعراء کی اگلی آیت میں فرمایا:

وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۝ ۲۲۶

(الشعراء آیت ۲۲۶)

اور شاعر لوگ جو کہتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے:

اللہ نے پیشہ ور شاعری کی اصل کمزوری بیان فرما دی۔ لیکن چونکہ شاعری ایک فن ہے۔ اس فن کا ایک استعمال غلط ہے اور ایک استعمال صحیح ہے۔ بے ایمان۔ بے عمل۔ پیشہ ور شاعر کی شاعری ناپسند کی گئی ہے۔

ایمان والوں کی شاعری

لیکن اہل ایمان نیکی پر چلنے والے ذاکر، شاکر، نیک بندے، جو شاعری کے فن میں دین کی خدمت کریں۔ انھیں پسند کیا گیا۔ جو مشترک سوسائٹی کے بازاری شاعروں کے مقابل حقیقت پسندی سے اس فن کے ذریعے دین کی خدمت انجام دیں تو برا نہیں۔ بلکہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کا ایک اچھا ادبی اور سماجی ذریعہ ہے۔ جس کی طرف قرآن مجید میں اشارہ فرمایا گیا۔

ارشاد رب ہے:

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانتَصَرُوا مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ۝

مگر جو شاعر ایمان میں داخل ہوتے ہیں اور جن کو نیکی سے لگاؤ رہتا ہے پھر اللہ کا ذکر بھی بہت بہت کرتے رہتے ہیں اور ناانصاف ظالم شاعروں کے مقابلے میں شعر میں حق بات کہہ کر بدلہ لیا تو ایسے ایمان والے شاعر اچھے مانے جائیں گے۔ اور ظالموں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ لڑھکتے گرتے پڑتے ان کو اوندھے منہ کہاں جا کر پہنچنا ہے۔ (الشعراء آیت ۲۲۷)

اہل ایمان شاعروں کو مبارک ہو کہ اگر وہ ایمان کے ساتھ عمل صالح پر قائم رہتے ہوئے ذکر اللہ کے داعی ہو کر ظالموں کے مقابلے میں صف آرا ہوں۔ اور اپنے اس ادبی فن کو لے کر میدان میں آئیں

(بقیہ صـ۱۲ پر)

ان شہادتوں کو کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے؟

بعض مریض ذہنیت کے لوگوں نے ایڈیٹر "تعمیرحیات" و حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کے مضمون پر جو" تعمیرحیات" میں شائع ہوئے ناگواری ظاہر کی۔ اور ضیاء شہید کو برا بھلا کہا۔ ایسے لوگ اپنی آخرت کی فکر کریں۔ شہید اسلام کے بارے میں تو زبانِ خلق نقارۂ خدا بنی ہوئی ہے۔ ذیل میں مولانا انظر شاہ مسعودی کا مضمون ملاحظہ ہو۔

ع:
"مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے"

عہدہ اور پھر کسی ملک کی سربراہی و حکمرانی، حاکم کی خلوت اس کی جلوت سے مختلف باطن ظاہر سے کھلا تضاد لئے ہوئے منظر عام پر آئیں گے، تو سچے سجائے..... خلوتوں میں دیکھئے تو بے عملی و بدکرداری کا متعفن ماحول، لیکن اس عام تجربہ سے ہٹ کر کبھی ایسی شخصیات بھی سامنے آتی ہیں، جن کا باطن ظاہر سے زیادہ اجلا، خلوت جلوت سے بڑھ کر نکھری ہوئی۔ قول و عمل میں مطابقت، زندگی کے نشیب و فراز میں یکسانیت انھیں دیکھ اور پرکھ کر نفرت نہیں بلکہ محبتوں کا قلوب میں ورود ہوتا ہے تحقیر کے جذبات نہیں بلکہ ان کی عظمتوں کا یقین قلب و دماغ پر چھا جاتا ہے۔

سربراہ پاکستان مرحوم ضیاء الحقؒ انھیں باکردار سربراہوں میں تھے جنکی شخصی و نجی زندگی مومنانہ صفات کا دل آویز مجموعہ تھا۔ اس ذرہ بے مقدار کو انھیں قریب سے دیکھنے اور دیر تک ان کی خوبیوں کے مطالعہ کا موقع ملا۔

چند سال قبل راقم کو رمضان المبارک کا عشرۂ آخر حرمین شریفین میں گذارنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ عصر کی نماز سے کچھ پہلے صف بستہ زائرین جماعت کا انتظار کر رہے تھے، کہ اچانک سعودی پولیس حرم مدینہ منورہ میں بھاگ دوڑ کرنے لگی۔ ان کی افراتفری کو دیکھ کر تشویش قدرتی تھی۔ اتفاقاً مجھ سے قریب ایک پاکستانی زائر بیٹھے تھے میں نے ان سے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ تو طنزاً بولے مولوی ضیاء الحق تشریف لا رہے ہیں! اتنے میں مرحوم صدر پاکستان پہنچ گئے رِفل کا کرتا زیب تن، چھالٹی کا سفید پاجامہ، سر پر کروشیا کی بنی ہوئی ٹوپی، ہاتھ میں حمائل دلائل الخیرات مناجات مقبول مصنفہ حضرت تھانویؒ،

یاد رہے کہ حرمین میں دلائل الخیرات کے قبیل کی کتابیں ممنوع الداخلہ ہیں غالباً یہ صدر پاکستان کی خصوصی رعایت تھی کہ ان پر کوئی روک تھام نہیں لگائی یہ بھی دیکھا کہ ان کے اکرام میں روضۂ اطہر کا پہلا دروازہ کھول دیا گیا صدر افطار کے وقت وہاں سے باہر آئے۔

رمضان المبارک کا آخری عشرہ وہ نصف مدینہ منورہ میں اور نصف مکہ معظمہ میں گذارتے، اور اپنی آنکھوں نے دیکھا کہ حرمین کے جس کونے میں حفاظ قرآن پڑھتے۔ ضیاء الحق بڑے ذوق و شوق سے اس کی اقتدا میں نوافل پڑھنے میں لگ جاتے۔

دو چار بار پھر پاکستان کے متعدد سیمیناروں میں انھیں دیر تک قریب سے دیکھنے اور سننے کا موقع ملا۔ وہ مسلکاً سُنّی العقیدہ، پختہ دیوبندی اور بہت پہلے حضرت مولانا محمد حسن امرتسریؒ، خلیفہ اجل حضرت حکیم الامتؒ سے روابط قائم کر چکے تھے اسی لئے ذوقاً جمے جمائے تھانویؒ تھے۔

مولانا محمد حسن امرتسری کی وفات کے بعد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے دوسرے معروف خلیفہ ڈاکٹر عبدالحئی عثمانی سے نام عقیدت رکھتے اپنے بچوں کی شادی میں ڈاکٹر عبدالحئی عثمانی کو مدعو کیا انھیں سے نکاح پڑھوایا ایرپورٹ پر ان کے استقبال کے لئے خود پہنچے۔ مجلس نکاح میں ڈاکٹر صاحب کی عائد کردہ شرائط کی پابندی کی۔ میں نے یہ واقعہ براہ راست ڈاکٹر صاحب مرحوم سے سنا کہ آخری شادی میں انھیں مدعو کیا گیا تو شب کو وہ صدر ہاؤس میں استراحت فرما رہے تھے، ایک خادم ڈاکٹر صاحب کا بدن دبانے کی سعادت حاصل کر رہا تھا "اچانک ضیاء الحق تن تنہا کمرے میں داخل ہوئے ڈاکٹر صاحب کی آنکھ لگ گئی تھی وہ خادم کے ساتھ بے تکلف صدارتی رکھ رکھاؤ چھوڑ کر اس خدمت شریک ہو گئے۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر صاحب کی آنکھ کھلی تو وہ یہ دیکھ کر حیران ہوئے لیکن مرحوم صدر نے انھیں لیٹے رہنے پر مجبور کر دیا۔ پھر وہ رات گئے تک جسم دباتے رہے۔"

اس طرح کے واقعات اسلامی تاریخ کے قرون اول میں تو مل سکتے ہیں۔ لیکن بدبختیوں سے تیرہ و تار اس دور میں یہ داستانیں کتنی حیرت انگیز اور عبرت خیز ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی کراچی میں وفات ہوئی تو مرحوم صدر ضیاء الحق تدفین میں باقاعدہ نہ صرف شریک رہے بلکہ گریہ و زاری کے ساتھ شیخ وقت کی میت قبر میں اتارنے کے لئے کود پڑے۔ غالباً گذشتہ سال جبکہ مولانا مسیح اللہ صاحب جلال آبادی اسلام آباد پہنچے تو ضیاء مرحوم اپنی اہلیہ کو لے کر فرودگاہ پر آئے اور میں نے یہی سنا ہے کہ موصوف سے ان کو بیعت کرایا۔ لاہور میں مدرسہ اشرفیہ سے بالکل قریب مرحوم کی بہن رہتی ہیں جو حضرت مولانا مسیح اللہ خاں سے بیعت ہیں ایک واپڈہ میں معمولی ملازمت پر اور دوسرے روزگار کے لئے چھوٹی موٹی تجارت کا شغل اپنائے ہوئے ہیں ہمشیرہ مولانا امرتسری سے مرشدانہ تعلق رکھتی ہیں۔ گویا یہ پورا گھرانا حضرت مولانا تھانویؒ سے وابستہ ہے۔

گذشتہ سال لاہور میں حضرت تھانویؒ پر ایک سیمینار میں ضیاء مرحوم صدارت کر رہے تھے یہ بے بضاعت بھی شریک تھا، صبح نو بجے سے ایک بجے تک بھاری بھرکم مقررین اور گرانقدر مقالہ نگار" التھانوی" قدس سرہٗ کے علم و عمل زہد و تقویٰ تورع و احتیاط، خشیت رب میں ان کا ممتاز مقام ان ہی عنوانات پر بولتے رہے یا سناتے رہے مجھ ظلوم و جہول کو اس پر کڑھن ہو رہی تھی، میں کھڑا ہوا تو عرض کیا کہ حضرت تھانویؒ کے یہ امتیازات اس وجہ سے آج انوکھے معلوم ہو رہے ہیں۔ کہ یہ قحط الرجالی دور ہے ورنہ تو خود حضرت کے عصر میں وہ عالم تھے جن کا لوہا حضرت تھانویؒ بھی مانتے بلکہ علمی مشکلات میں ان سے رجوع فرماتے زاہد ایسے تھے کہ ان کے زہد پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہٗ کے زہد کا شبہ ہوتا، اتقاء وہ تھے جن کے تقویٰ پر ہزاروں تقوے قربان کئے جا سکتے ہیں؛ اس لئے یہ سب کچھ نہیں، وہ درحقیقت چودھویں صدی کے مجدد تھے۔

مرحوم صدر کو یہ بات اتنی پسند آئی کہ وہ اپنی صدارتی تقریر میں اسی کا حوالہ دیتے رہے۔ اس مجلس کے اختتام پر اپنی ہمشیرہ کے وہاں چلے گئے اور پھر نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے پلاسٹک کی معمولی سی چپل پاؤں میں ڈالے ہوئے اپنے قومی لباس میں تنہا مسجد کی طرف چل پڑے جبکہ سیکورٹی اس صورت حال پر پیچ بجبیں تھی ان کے صوم و صلوٰۃ کا اشتغال و انہماک تو خود دیکھا مگر ثقہ لوگوں نے بتایا کہ تہجد کے بھی باضابطہ پابند تھے۔ " واللہ اعلم بالصواب"

مرحوم ضیاء الحق کی زندگی اور ان کے بلند کردار پر ایک اور واقعہ عکس ریز ہے۔ ایک بار چند علماء کو صدر ہاؤس میں مدعو کیا گیا اسلامی نظام کے نفاذ کا مسئلہ زیر غور تھا۔ ایک مولانا دوران گفتگو بار بار لکھنوی ڈبیا سے گوریاں نکالتے اور شغل کرتے۔ مرحوم صدر نے چٹکی لیتے ہوئے کہا۔

" مولانا پاکستان میں پان کمیاب ہے۔ اس کی درآمد پر زر کثیر صرف ہوتا ہے" ملا آں باشد کہ چپ نشود" مولانا صاحب دھڑلے سے بولے کہ صدر صاحب آپ کی انگلیوں میں جو سگریٹ ہے وہ بھی غیر ملکی اور قیمتی ہے۔ اس کی درآمد پر پان سے زیادہ مصارف ہوتے ہیں۔ معتبر ذرائع سے سنا گیا ہے کہ

غزل

قمر سنبھلی

٥

سب تمہارے گاؤں کے منظر ہمیں اچھے لگے
بے ریا لہجوں سے روشن گھر ہمیں اچھے لگے
وہ بچھڑتے وقت کا منظر کہ اشکوں کے چراغ
تیری پلکوں کی منڈیروں پر ہمیں اچھے لگے

ہم ہوئے خوگر اذیت ناکیوں کے کس قدر؟
دور تک سڑکوں پہ بکھرے سر ہمیں اچھے لگے
پھول سا لہجہ بھی جس کا تھا طبیعت پر گراں
آج اسی کے ہاتھ میں پتھر ہمیں اچھے لگے

یہ بھی ہے اس کی کرشمہ سازیٔ دستِ ہنر
خوبصورت تتلیوں کے پر ہمیں اچھے لگے
نیند اچٹنے پر بکھرنے کا کوئی خطرہ نہیں
جاگتی آنکھوں کے خواب اکثر ہمیں اچھے لگے

جن میں شامل تھی نمی اپنے پسینے کی قمرؔ
دانے گندم کے وہ مٹھی بھر ہمیں اچھے لگے

۱۹۸۸ء کے قدرتی مصائب

ان ہلاکتوں کے پیچھے کون سی طاقت کارفرما ہے

۷ دسمبر کو ۱۱ بجکر ۴۱ منٹ پر ال لایر گوسیان نے آرمینیائی شہر میں اپنے چار منزلہ مکان میں ایک عجیب و غریب آواز سنی اور مکان لرزنا شروع ہوگیا اسے بعد میں سب کچھ اس وقت یاد آیا جب اسے اس عمارت کے ملبہ سے باہر نکالا گیا، جو اس سے پہلے اس کا گھر تھا۔ اس نے آرمینیا کی راجدھانی یریوان کے اسپتال میں اپنے بستر پر لیٹے ہوئے بتایا: "میں نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اور کسی شخص نے اسے تھام لیا۔"

جس وقت اس روز دکرٹکے زلزلہ پیما آلہ کے مطابق ۶/۹ طاقت کا زلزلہ محسوس کیا گیا، تو آرمینیا کے ہزاروں باشندوں سکتہ میں رہ گئے، اسکول، فیکٹریاں، اور ان گنت مکان گرنے شروع ہوگئے۔ چار منٹ ۱۷ سیکنڈ بعد ایک دوسرا جھٹکا آیا، اور سینکڑوں باقی ماندہ عمارتیں تباہ ہوگئیں۔

روسی زلزلہ جس میں ۶۰ ہزار افراد ہلاک ہوئے ہوں گے۔ اس دہائی کا سب سے زیادہ ہلاکت خیز زلزلہ تھا۔ یہ زلزلہ ۱۹۸۸ء کی تباہ کاریوں میں بدترین نوعیت کا تھا۔ لیکن ۱۹۸۸ء کا برس افریقہ کیلئے بھی ایک ہلاکت خیز سال تھا، جہاں سیکڑوں، ہزاروں افراد قحط سالی کا شکار ہوگئے ہوں گے۔ اسی طرح ایشیا میں سیلابوں کے نتیجہ میں لاتعداد افراد کو ہلاکت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

ہزاروں افراد خوفناک آتشزدگی کا شکار بنے لیکن ان میں سے کوئی بھی حادثہ ان ہلاکتوں کے مقابلہ میں نہیں رکھا جاسکتا، جو افریقہ میں رونما ہوئی ہیں سوڈان میں راحت رسانی کی خدمات انجام دینے والے افراد کا کہنا ہے کہ جون کے بعد سے شمالی افریقہ کے اس ملک میں ہزار افراد قحط سالی کا شکار ہوئے ہیں۔ اور یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ المیہ کب ختم ہوسکتا ہے۔ کچھ شہروں میں لکڑ بھگے فاقہ کشی سے مرنے والوں کی لاشیں اٹھا کر لے گئے۔ اور باقی ماندہ لوگ اتنے زیادہ کمزوری کا شکار تھے کہ ان سے اپنی جانیں نہ بچا سکتے تھے۔

لاطینی امریکا اور فلپائن میں شدید ہوائیں چلنے سے کافی لوگوں کی اموات واقع ہوگئیں۔ ستمبر کے مہینہ میں میکسیکو کی یوکاٹان آبنائے جمائکا، ڈومینکن ری پبلک اور ہیتی میں طوفانی ہواؤں سے تقریباً اسی افراد ہلاک ہوگئے اکتوبر میں ہلاکت خیز طوفان میں نکاراگوا کوسٹاریکا، پنامہ، کولمبیا اور وینزوا میں ۱۱۰ سے زیادہ لوگ ہلاک ہوگئے۔

فلپائن میں اکتوبر اور نومبر کے شروع میں خوفناک طوفان آئے جن سے ۶۰۰ سے زیادہ افراد ہلاک ہوگئے۔

بنگلہ دیش میں آنے والے سیلابوں میں اس کے تین چوتھائی رقبہ میں پانی بھر گیا تھا۔ اور ایک ہزار سے زیادہ لوگ ہلاک ہوئے۔ برازیل میں فروری کے اواخر میں بارش، طوفان اور مٹی کے تودے گرنے سے تقریباً ۲ سو افراد لقمۂ اجل بن گئے۔ جنوبی تھائی لینڈ میں نومبر کے مہینہ میں آنے والے سیلابوں میں ۳ سو سے زیادہ افراد ہلاک ہوگئے۔ اندازہ ہے کہ اگر لاپتہ ہونے والے افراد کو بھی شمار کیا جائے تو یہ تعداد دوگنا ہو سکتی ہے۔

۶ جولائی کو تیل کے میدانوں میں ہونے والی دنیا کے ساحل کے پاس پائپر الفا آئیل رگ میں دھماکہ ہونے اور آگ لگنے سے ۱۶۶ سے زیادہ لوگوں کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔

۲۱ جون کو مصری شہر اسوت میں کھانے کے ایک ہوٹل میں شعلے بھڑکنے اور آگ لگ جانے سے ۴۷ افراد ہلاک ہوگئے میکسیکو سٹی میں ۱۱ دسمبر کو اس وقت ۶۸ افراد ہلاک ہوگئے جب آتشبازی کے ایک ناجائز کارخانے میں آگ لگ گئی اور بعد میں اس نے پورے بازار اور ملحقہ عمارتوں کو لپیٹ میں لے لیا۔

۲۰ مارچ کو برما میں ایک خوفناک آتشزدگی میں اس وقت ۱۱۲ افراد ہلاک ہوگئے، جب تیز ہواؤں کی جب سے شہر لاشیو میں لگنے والی آگ شہر میں دور تک پھیل گئی۔

قریبی ملک نیپال میں ایک زبردست زلزلہ آیا جس کے جھٹکے ہندوستان کے کچھ حصوں میں محسوس کئے۔ اس زلزلہ میں ۲۱ اگست کو ۱ ہزار کے قریب لوگ ہلاک ہوگئے۔ اس کے علاوہ نومبر کو چین کے جنوبی صوبہ یونان میں بھی زلزلہ کا ایک جھٹکا آیا جس میں ۹۰۰ سے زیادہ افراد ہلاک ہوگئے۔

کئی ملکوں میں مسافر بردار طیاروں کو حادثے پیش آئے۔ چین میں ۱۸ جنوری کو ایک مسافر بردار جیٹ طیارہ نیچے گر پڑا۔ جس کے نتیجہ میں اس میں سوار جملہ ۱۰۸ افراد ہلاک ہوگئے۔ ہندوستان میں انڈین ایرلائنز کا ایک جیٹ طیارہ جس میں ۱۳۰ افراد سوار تھے نیچے گر پڑا اور تمام سواریاں ہلاک ہوگئیں۔ کولمبیا میں ۱۸ مارچ کو ایک مسافر بردار جیٹ طیارہ پہاڑیوں سے ٹکرا گیا، جس کے نتیجہ میں چٹان کے پتھر ٹوٹ کر نیچے گر گئے اور طیارہ میں آگ لگ گئی۔ اس حادثہ میں طیارہ میں سوار جملہ ۱۳۷ افراد ہلاک ہوگئے۔

مغربی جرمنی میں ایک دوسری طرح کا فضائی حادثہ ہوا۔ یہ حادثہ ۲۸ اگست کو ریمسٹین کے امریکی فضائیہ کے اڈہ پر ہوا۔ جسمیں ایک طیارہ میں سوار ۶۹ افراد ہلاک ہوگئے۔ ہندوستان میں ۶ اگست کو کشتی کا ایک حادثہ ہوا ایک کشتی دریائے گنگا میں غرق ہوگئی۔ اس کشتی میں پانچ سو سے زیادہ افراد سوار تھے۔ جنمیں سے چار سو سے زیادہ افراد کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ڈوب کر ہلاک ہوگئے ۸ جولائی کو ہندوستان میں اس وقت ایک سو سے زیادہ افراد ہلاک ہوگئے جب مسافروں سے بھری ہوئی ریل گاڑی، آئی لینڈ ایکسپریس شہر کلوں کے پاس ایک جھیل میں گر گئی۔ ۱۰ اپریل کو اسلام آباد میں ۹۳ افراد اس وقت ہلاک ہوگئے جب اسلحہ کے ایک ذخیرے میں زبردست دھماکے ہوگئے۔

ضیاء مرحوم نے دو انگلیوں کے درمیان دبی ہوئی سگریٹ کو پھینکتے ہوئے کہا۔ مولانا آج کے بعد آپ سگریٹ پیتے ہوئے نہیں دیکھیں گے۔ صدر کی سگریٹ ہمیشہ کے لئے چھوٹ گئی لیکن بے عمل واعظ آج بھی گوریاں چبر رہے ہیں۔ مرحوم صدر کی چھوٹی بچی جو عام طور ماؤف الدماغ سمجھی جاتی ہے۔ مرحوم صدر ضیاء نہ صرف اس کو چاہتے بلکہ اس کے مجذوب ہونے کا یقین رکھتے ایک مجلس میں خود سنا رہے تھے۔

میری یہ بچی اہم معاملات میں مجھے خدائی اشارہ سناتی ہے چنانچہ پھانسی کے کسی مجرم کی ماں کی جانب سے مراحم خسروانہ کی اپیل مع مسل صدر صاحب کے ہاں پہنچی، سردی شباب پر تھی اور پھر اسلام آباد کی سردی شب کے ایک بجے مرحوم صدر نے اس مسل کو دیکھنے کے لئے اٹھایا اچانک لڑکی اپنی خواب گاہ سے باہر آئی مسل پر ہتھیلی تین دفعہ ماری اور انگلی سے نفی کا اشارہ دیا۔ صدر چونک گئے اگلے دن پھر تیسرے دن بھی یہی معاملہ ہوا۔ اب صدر کو یقین تھا کہ جسے مجرم بنایا گیا ہے۔ وہ بری الذمہ ہے لیکن مسل اتنی مضبوط تھی کہ شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑی گئی تھی۔ ضیاء مرحوم نے اپنی ذاتی سی آئی ڈی کو تحقیقات سپرد کیں۔ ابتدائی تحقیق کے بعد سزا یافتہ نوجوان کو صدر کے سامنے پیش کیا گیا وہ صورتاً ایسا معصوم کہ اقدام قتل کا اس کے چہرے پر ذرا سا اندازہ سے شبہ بھی نہ ہوگا، نوجوان سہما ہوا تھا صدر کے دلاسا دینے پر اس نے سب سے پہلے قرآن مجید ہاتھ میں لے کر بیان دیا کہ میں اس قتل کے گھناؤنے جرم سے قطعاً بری ہوں۔

مزید تحقیقات سے یہ انکشاف سامنے آیا کہ پولیس نے ایک امیر رئیس قاتل کو بھاری رشوت لے کر قتل کے الزام سے صاف بچا دیا، اور اس معصوم غریب نوجوان کو مبتلا کر دیا۔ اس انکشاف پر بے گناہ مجرم نہ صرف بچ گیا بلکہ صدر کی ذاتی داد و دہش سے بہرہ اندوز ہوا اور مجرم بنانے والا عملہ پولیس کیفر کردار کو پہنچا رہ گیا یہ خلجان کہ صدر کی زندگی کے خاتمے پر اس مجذوبہ نے قبل از وقت خطرہ کی گھنٹی کیوں نہیں بجائی، تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ چونکہ قضاء آید طبیعت آمد شود۔

ان کی زندگی میں مخالفین اور پر بے بنیاد الزام لگاتے رہتے کبھی حریف سیاستداں، اور کبھی ارباب جبہ و دستار تا آنکہ انھیں قادیانی تک مشہور کیا گیا۔ حیاذ باللہ قلباً یہ مومن از روئے مسلک راسخ العقیدہ، ذوقاً تھانوی، قادیانیت کے ناپاک کوچوں سے کس طرح گذر رہا تاہم اب وہ اس عالم میں پہنچ چکے جہاں اپنے نیک اعمال کی احسن جزاء لینے کیلئے احکم الحاکمین کے حضور میں ہیں۔ اپنے علم اور مشاہدہ کے اعتبار سے اس بے غبار زندگی کے اختتام پر یہی کہا جاسکتا ہے

عشق سے ہوں گے جن کے دل آباد
قیس مرحوم کو کریں گے یاد

بقیہ ص۳
مولانا ابو العرفان ندوی مرحوم

کچھ عرصے سے ان کو قلب کی شکایت لاحق ہوگئی تھی لیکن اس کو عام طور پر ذیابیطس ہی کے اثرات پر محمول کیا جاتا رہا، ایک رات تکلیف کا ایسا دورہ پڑا کہ وہ بستر سے زمین پر آرہے، لیکن اس کی بھی صحیح تشخیص نہیں ہوسکی بعد میں وہ مستقل قلب کے مریض ہوگئے، مگر اپنی شگفتگی طبع اور زندہ دلی کی بنا پر نہ خود احتیاط کرسکے، نہ کسی کو اس کی نزاکت اور شدت محسوس ہوئی، ماہرین خصوصی کے معائنے کے بعد بھی کسی ایسے فوری خطرہ کا احساس نہیں ہونے پایا جس کی بنا پر وہ مکمل آرام، احتیاط کرتے، تقدیری بات کہ ۱۱ نومبر ۱۹۸۸ء کو راقم سطور کو رابطہ عالم اسلامی کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لئے مکہ معظمہ کے قصد سے عزیزی مولوی محمد رابع ندوی کی رفاقت میں لکھنؤ سے روانہ ہونا پڑا، اس وقت فوری حادثہ کے پیش آنے کا کوئی وسوسہ اور خیال بھی نہیں تھا۔ ۱۷ نومبر کو جب حجاز میں عصر کا وقت تھا، اور لکھنؤ میں مغرب ہو چکی تھی عزیز گرامی مولوی معین اللہ صاحب ندوی سے ٹیلی فون پر بات ہوئی، میں نے مولانا ابو العرفان صاحب کی خیریت دریافت کی، انھوں نے کہا کہ پہلے سے بہتر ہیں۔ میں نے کہا کہ سلام کہہ دیجئے اور کہہ دیجئے کہ میں ان کے لئے دعا کر رہا ہوں یہ پیغام ان کو پہونچا، وہ خوش ہوئے معلوم ہوا کہ رات کو ۱۰-۱۱ بجے تک وہ اپنے قریبی پڑوسیوں اور دار العلوم میں پاس کے رہنے والے اساتذہ سے باتیں کرتے رہے، اسی دوران میں ان کو قلبی تکلیف محسوس ہوئی، اور اسی وقت انکو اسپتال لے جایا گیا، یہ بھی معلوم ہوا کہ ممبئی ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین صاحب قریشی نے اسی دن دیکھ کر مکمل آرام کا مشورہ دیا تھا اور ان کو خطرہ کا احساس ہوگیا تھا، لیکن اس پر عمل نہیں ہوسکا۔

اسپتال میں فوری تدبیریں کی گئیں لیکن وقت مقرر آچکا تھا، کچھ کارگر نہ ہوئیں اور انھوں نے جہان فانی کو دار البقاء کا سفر اختیار کیا، اگلے ہی روز ۱۸ نومبر کی صبح کو علی الصباح یہ غمناک اطلاع ٹیلیفون کے ذریعہ مکہ معظمہ پہونچ گئی، مجھے قصداً ذرا دیر سے اطلاع کی گئی، میں ہاتھ ملتا رہ گیا، کہ چند ہی دن پہلے ان سے رخصت ہوکر آیا تھا اور یہ واقعہ میری غیر موجودگی میں پیش آیا کہ میں جنازہ میں شرکت بھی نہ کرسکونگا

وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا

اے ہمنفسان محفل! رفتید مگر از دل ما

بقیہ ص۳
مولانا ابو العرفان خان ندویؒ

سے انھوں نے اس موقع سے گریز کرنے کی کوشش نہیں کی، یہ ان کی بلند ہمتی کی بات تھی۔ مولانا کے اوصاف میں تحمل نمایاں صفت تھی، وہ پریشانی اور برہمی کے موقعوں پر بھی اپنے تحمل کو قائم رکھتے تھے اور برہم نہیں ہوتے تھے البتہ انتظامی مصلحت سے ان کو کسی موقع پر مصنوعی غصہ اختیار کرنا پڑتا تھا جو صرف اسی دائرہ کے اندر ہوتا تھا جو ضرورت کے تقاضہ سے وہ محسوس کرتے تھے طلباء کے ساتھ ان کی گفتگو مؤثر اور مطمئن بنانے والی ہوتی تھی، وہ علم کلام کے ماہر تھے، منطق بھی ان کے دیگر خاص موضوعات میں سے تھی، چنانچہ اس کا اثر ان کی اطمینان بخش گفتگو میں جھلکتا تھا۔

وہ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، ان کے والد صاحب کے انتقال کے بعد بھائیوں کی تعلیم عموماً ان کے ذمہ رہی ان کے چچا زاد بھائیوں میں کئی حضرات عالم و مدرس ہوئے، ان میں سے دو تین حضرات شاہ گنج میں واقع عربی درسگاہ کے ذمہ دار رہے۔

مولانا نے پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ کئی صاحبزادگان چھوڑے، ان میں مولوی محمد عمران خان ندوی نے دار العلوم ندوۃ العلماء میں پوری تکمیل کے بعد تدریسی مشغلہ اختیار کیا، مہاراشٹر کے بھیونڈی کے ایک کالج میں وہ اور مولانا کے چھوٹے بھائی مولوی محمد حسان خان ندوی ازہری معروف اساتذہ میں ہیں، مولانا کے ایک صاحبزادہ محمد فیضان خان جدہ سعودی عربیہ میں ملازم ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا موصوف کو اپنے خاص جوار رحمت میں جگہ دے اور عفو و مغفرت و رفع درجات سے نوازے۔

لله ما أعطى وله ما أخذ وكل شيء عنده إلى أجل مسمى ۔

بقیہ:
مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اور ظالموں کی ایسی درگت بنائیں کہ آنے والے اسلامی انقلاب کے مقابلے پر شعر وسخن کی دنیا میں بے ایمان اور مشرک شوسائٹی کو اندھے منہ لٹکا دیں، جیسا کہ اہل ایمان میں حضرت عائشہؓ، حسان بن ثابتؓ، کعب بن مالک، اور بعد میں عطار، رومی، سعدی، شیرازی وغیرہ نے یہ فرض انجام دیا ـــ اور نئے دور میں اقبال، مومن، حالی، علامہ شبلی، عبد العزیز خالد، وغیرہ کو اس صف میں گنا جاسکتا ہے اور بھی اللہ کے بے شمار بندے ہونگے

تجارت عمر

یہ عمر راس المال ہے کہ ہر سانس ایک بیش قیمت جواہر اور گویا بھرپور خزانہ ہے جس سے ابدی سعادت حاصل ہوسکتی ہے اور جب عمر پوری ہوگئی تو تجارت ختم ہوگئی پھر غفلت میں گزرے ہوئے وقت پر حسرت ہوگی۔ مگر یہ حسرت کام نہ آئیگی اب دار العمل نہیں۔ اب دار الحساب ہوگا اس لئے فرصت کو غنیمت جانو اور حساب کی تیاری کرلو۔

جب آدمی مرجاتا ہے تو ایک ایک نیکی کے لئے ترستا ہے اہل قبور پاس سے گزرنے والوں سے تمنا کرتے ہیں کہ کوئی ایک دفعہ سبحان اللہ یا الحمد للہ پڑھ کر ثواب بخش دے ؎

اے کہ برما می روی دامن کشا
از سر اخلاص الحمدے بخواں

(مولانا اشرف علی تھانوی)

بقیہ صـ ۲ کا

مساوات اسلامی کے اصول

یہ تو میں تو شریف زادہ ہوں" یہ سنا تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ جلال میں آ گئے اور فرمایا کہ بیٹھو، پھر عمرو بن العاص کے نام خط لکھا کہ "جب میرا یہ خط تم کو پہونچے تو اپنے بیٹے کو لے کر حاضر ہو جاؤ، حضرت عمرو بن العاص جس حال میں تھے ویسے ہی حاضر خدمت ہوئے، حضرت عمرؓ ادھر ادھر دیکھنے لگے کہ ایک لڑکے محمد بن عمرو کہاں ہیں؟، پھر دریافت کیا کہ وہ مصری شخص کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ امیر المؤمنین میں یہاں موجود ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ لو یہ کوڑا اور شریف زادہ کو مارو شریف زادہ کو مارو، اس مصری نے محمد بن عمرو بن العاص کو اتنا مارا کہ محمد بن عمرو بے دم ہو گئے، پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عمرو کی پیشانی پر رسید کرو۔

محمد نے اپنے باپ عمرو بن العاص کی گورنری کے بل بوتے پر تم کو مارا تھا، مصری نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین میں نے تو اپنے مارنے والے سے بدلہ لے لیا، آپ نے فرمایا کہ اگر تم اس کو بھی مارو تو میں نہیں روکوں گا پھر فرمایا کہ اے عمرو کب سے تم نے لوگوں کو غلام بنا لیا، ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنا تھا، پھر مصری کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ اب اطمینان کے ساتھ واپس جاؤ پھر تمہیں کوئی شکایت ہو تو مجھے لکھنا۔

عہد فاروقی میں ایک واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ایک یہودی نے حضرت عمر فاروقؓ کے پاس حضرت علیؓ کی شکایت کی، جب حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو انہوں نے یہودی کو اس کا نام لے کر پکارا، لیکن حضرت علیؓ کو ان کی کنیت سے مخاطب کرتے ہوئے "ابو الحسن" کہا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو غصہ آ گیا، یہ دیکھ کر عمر فاروقؓ نے فرمایا، کیا آپ کو یہ بات ناگوار گذری کہ ایک یہودی کے ساتھ آپ کھڑے ہوں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ نہیں یہ بات نہیں ہے، مجھے تو اس بات پر غصہ آیا کہ آپ نے میرے اور اس یہودی کے درمیان مساوات نہیں فرمائی بلکہ مجھے آپ نے اس یہودی پر فوقیت دی، مجھے تو کنیت سے پکارا اور اس یہودی کا نام لیا،

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے ایک قاضی حضرت ابو موسی اشعریؓ کو لکھا، اپنے فیصلوں میں اپنی مجلس اور اپنے روبرو لوگوں کے درمیان مساوات کا برتاؤ کرو تاکہ کسی شریف کو تم سے ظالمانہ کام کرانے کی امید نہ ہو اور نہ کسی ضعیف کو تمہارے عدل سے مایوسی ہو۔

فقہائے اسلام نے قیام مساوات کے سلسلہ میں قاضی کے لئے کچھ خاص شرطیں رکھی ہیں۔

الف: قاضی مدعی کی شکایت سنے اور مدعا علیہ کو اپنی عدالت میں طلب کرے اس بات میں فقیر وغریب اور قوی وضعیف کے درمیان کسی قسم کی تفریق روا نہ رکھے۔

ب: عدالت کی قانونی کارروائی کو عملی جامہ پہنانے میں فریقین کے ساتھ برابری کا معاملہ کرے۔

ج: عدل کے ساتھ فیصلہ کرے، ایک ہی جرم کے مجرمین کو مختلف حالات کے پیش نظر مختلف سزائیں دینا عدل کے منافی نہیں ہے

سیاسی حقوق میں مساوات

سیاسی حقوق سے مراد نظام حکومت سے متعلق وہ امور ہیں جو سب کو یکساں حاصل ہوتے ہیں مثلاً حق انتخاب، حق رائے دہندگی، ممبر آف پارلیمنٹ یا صدر حکومت کے لئے کھڑے ہونے کا حق اور سرکاری امداد کا حق۔

عام ملازمتوں میں مساوات

باشندگان وطن میں سے کسی ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ پر اس باب میں امتیاز حاصل نہیں ہوگا کہ کسی منصب یا نوکری کی تمام شرطیں پائی جانے کے باوجود کسی کو نوکری دی جائے اور کسی کو نہیں، اسلام میں ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کی صلاحیت واستعداد اور ان کے علم کے مطابق نوکریوں کے حصول میں ان کے ساتھ یکساں رویہ رکھا جاتا ہے اس یکسانیت میں مرد وعورت کی کوئی تفضیل نہیں ہے، ایسا نہیں ہے کہ بعض نوکریاں مردوں ہی کے لئے ہوں مثلاً فوجی نوکری اور بعض صرف عورتوں کے لئے جیسے نرس کا کام، اسی طرح نوکری چاہنے والے کے لئے خاص خاص شرطیں نہیں لگائی جاتیں مثلاً فوجی نوکری کے لئے قد کی لمبائی کی شرط لگائی جائے۔

اسلام نے اس باب میں مسلم وغیر مسلم کے درمیان فرق بھی نہیں رکھا ہے، قریشی نسب کے متعلق جو بعض امتیازات رکھے گئے ہیں وہ بھی بعض سیاسی واجتماعی حالات اور ایک خاص مقصد کے پیش نظر اگر زمانہ کا عرف اور مصلحت متقاضی ہو کہ کسی منصب کے لئے بعض شرائط لگا دی جائیں تو یہ عام مساوات کے اصول کے منافی نہیں کہلائیگا یہی وجہ ہے کہ بعض مصالح کی بنا پر اسلام نے عورت اور غیر مسلم کو حکومت کا حق نہیں دیا ہے

عام سہولتوں سے انتفاع میں مساوات

حکومت اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں لوگوں میں کوئی فرق نہ کرے گی خواہ وہ خدمت کے اعتبار سے ہو اور خواہ تنخواہ کے اعتبار سے اسلامی حکومت اپنی پوری رعایا کی ذمہ دار ہوتی ہے، اس کا یہ فریضہ ہے کہ معاشرہ کے افراد خصوصاً یتیموں، فقیروں اور دوسرے ضرورت مندوں کو عطایا تقسیم کرے اور بیت المال میں موجودہ سامان ان پر خرچ کر کے ان کے معاشی معیار کو بلند کرے،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے قابل کفالت پسماندگان چھوڑا وہ خدا کے حوالہ ہے (یعنی حکومت ذمہ دار ہے)

اسلامی نظام دنیا میں اپنی نوعیت کا پہلا نظام ہے جس نے ملک کے ہر فرد کا حق پیدائش سے لے کر وفات تک بیت المال میں تسلیم کیا ہے جبکہ دوسرے معاصر نظاموں کا یہ طریقہ ہے کہ حکومت بیت المال سے انہیں لوگوں کو وظیفے دیتی ہے جو حکومت میں کام کرنے والے ہوں، اسی طرح اسلامی نظام نے کام کرنے سے معذور لوگوں کے بھی حقوق بیت المال میں تسلیم کئے ہیں چنانچہ حضرت عمرؓ نے ہر اس شخص کا وظیفہ مقرر کیا تھا جو اسلام کے سایہ میں پیدا ہو، خواہ وہ مالدار ہو یا تنگدست، فرماتے ہیں "قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں دوں یا نہ دوں حق تو ہر ایک کا اس مال میں ہے۔ آپ نے مسلم وغیر مسلم کے درمیان فرق نہیں کیا، اس لئے کہ ایک مسلمان کی طرح غیر مسلم بھی بھوک و پیاس سے دوچار ہوتا ہے، بشری ضروریات اور انسانی حاجات دونوں کو پیش آتے ہیں لہٰذا اس باب میں مسلمان وغیر مسلم کے درمیان فرق کرنا رحم وکرم کے خلاف ہے۔

ایک بار حضرت عمرؓ ایک یہودی کے پاس سے گذرے تو اس سے حال دریافت کیا پھر اسے اپنے ساتھ گھر لے گئے اور کچھ دے دلا کر واپس کیا، پھر بیت المال کے سکریٹری سے فرمایا کہ اس کے نام وظیفہ جاری کر دو اور اس کا جزیہ معاف کر دو، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا "یہ اور اس جیسے ضعیفوں کی دیکھ بھال کرو، خدا کی قسم یہ ہرگز انصاف نہیں کہ ہم ان کی جوانی سے تو فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں انہیں چھوڑ دیں۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے جب حیرہ کے باشندوں سے صلح کی تو اس صلح نامہ میں لکھا گیا کہ جو بوڑھے کام کرنے سے معذور ہیں یا کسی مصیبت کے شکار ہیں ان سے جزیہ نہ لیا جائے، بلکہ ان کے اور ان کے اہل وعیال کے معاش کا انتظام بیت المال کرے گا،

جب تک کہ وہ دار الاسلام یا دار الہجرۃ میں مقیم رہیں۔

سماجی ذمہ داریوں میں مساوات

اسلامی مملکت میں آنے والی دولت اور اموال غنیمت چونکہ لوگوں پر برابر تقسیم ہوتی ہیں اسی لئے ان کو جن کاموں کا مکلف بنایا جائے یا جو ذمہ داریاں ان پر ڈالی جائیں ان میں بھی برابری ہونی چاہئے، اسکی دو شکلیں ہیں

ٹیکس کی ادائیگی میں مساوات

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر فرد کے ٹیکس کی مقدار برابر ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ ہر فرد پر اتنی ہی مقدار لازم کی جائے جو اس کی حیثیت اور حالت کے مطابق ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض ایسے لوگوں کو جن پر گھریلو بڑا بوجھ ہو یا جن کی آمدنی بہت کم ہو ٹیکس سے معاف رکھا جائے بشرطیکہ یہ کسی عام اصول کے مطابق ہو۔

اسلام میں زکوٰۃ، خراج، جزیہ، غنیمت، فئی اور عشور ہیں، ان سب کے اندر ٹیکس ہی کی شکل ہے، ہم اس موقع پر زکوٰۃ کے متعلق کچھ لکھتے ہیں۔

"زکوٰۃ ایک مالی عبادت ہے جو ہر ایسے مسلمان پر فرض ہے جو آزاد ہو، عاقل و بالغ ہو، نصاب زکوٰۃ کا مالک ہو یعنی اموال جانور، غلوں اور پھلوں میں ایک متعین مقدار پر ایک متعین حصہ لیا جاتا ہے، اسی طرح جزیہ یکساں اعتبار سے لوگوں پر لازم کیا جاتا ہے

فوجی خدمات میں مساوات

اس ضرورت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ فوجی خدمت سے کسی کو محض اس لئے معاف نہیں رکھا جائے کہ وہ فدیہ دے دیں یا کسی خاص طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں، یا کسی عہدہ پر فائز ہوں بلکہ ایک وقت تک کے لئے ایک متعین عمر تک پہنچنے کے بعد یہ خدمت ایسے تمام لوگوں پر ضروری ہے جن کے حالات یکساں ہوں، اگر ضرورت نہ ہونے کے سبب کچھ لوگوں سے یہ خدمت نہ لی جاتے تو یہ مساوات کے منافی نہیں ہے۔

اسلامی جہاد اس وقت فرض کفایہ ہے جب دشمن ملک سے باہر ہوں، لیکن جب وہ ملک میں داخل ہو جائیں تو پھر تمام لوگوں پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔

عام مساوات اور صلاحیتوں کے اعتبار سے مساوات

مساوات مطلقہ کا مطلب یہ ہے کہ قانون کا نفاذ تمام لوگوں پر اس طرح کیا جائے کہ ان میں باہم پائے جانے والے فرق کی رعایت نہ کی جائے، اسے عمومیت مطلقہ کہتے ہیں، لیکن مساوات کی یہ شکل عملاً محال ہے۔ لوگ اپنی قدرت وصلاحیت اور استعداد میں باہم متفاوت ہوتے ہیں، اسی طرح کسی قانون کے نفاذ کی مطلوبہ شرطوں میں بھی لوگوں میں بھی بہت فرق ہوتا ہے مثلاً قانون وکالت ہے اس کے لئے یہ شرط ہے کہ شہری بی۔ اے ہو، وہ نہ تجارت کرتا ہو اور نہ ہی حکومت کے کسی عہدہ پر فائز ہو، نیز اس نے کسی وکیل کے پاس رہ کر اس کام کی عملی مشق Practical (Practice) کی ہو۔ اس قانون کی پوری شرطیں تمام لوگوں میں نہیں پائی جا سکتیں بلکہ کچھ خاص افراد ہی ان شرائط پر پورے اتر سکتے ہیں، ہاں البتہ یہ ضروری ہے کہ جن افراد کے اندر یہ شرطیں پوری پوری پائی جا رہی ہیں ان کے درمیان باہم مساوات سے کام لیا جائے اسی آخری صورت کو مساوات نسبی کہتے ہیں۔

قانونی مساوات اور مادی مساوات

قانونی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ تمام لوگوں کو یکساں مواقع فراہم ہوں لیکن صلاحیت واستعداد نیز جسمانی قوت اور عقل وذہانت لوگوں میں مختلف درجہ کی ہوتی ہیں جس کے نتیجہ میں لوگوں کے معیار زندگی میں بہت فرق ہوتا ہے اور اس طرح قانونی مساوات کے نفاذ کے بعد بھی مادی مساوات وجود میں نہیں آ سکتی اسی چیز نے اشتراکی نقطۂ نظر رکھنے والوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مادی مساوات کا نعرہ بلند کریں اور قانونی مساوات کے خلاف آواز اٹھائیں جس میں سرمایہ دارانہ طبقہ تو تخت اقتدار پر بیٹھ کر داد عیش دے رہا ہوتا ہے لیکن محنت کش ومزدور طبقے محنت کوشش میں مبتلا ہوتے ہیں، لیکن یہ مادی مساوات عملاً ناممکن ہے اس لئے کہ نظریہ اور عملی تطبیق میں بہت فرق ہے، کسی قسم کا نظریہ بنانا تو آسان ہے لیکن اسے عملاً تطبیق دینا بہت مشکل ہوتا ہے۔ خود کمیونسٹ معاشرہ میں عملی تطبیق ان کے نظریوں سے بالکل مختلف ہے وہاں مخصوص پارٹی اور اس کے سربراہوں کو خاص امتیاز حاصل ہوتا ہیں۔

اسلام نے جب لوگوں کے درمیان مساوات کا اعلان کیا تو اولاً اس نے تمام لوگوں کے معاش کی ایک معمولی مقدار کی ضمانت لی چنانچہ اسلام نے لوگوں کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کے ضروری سامان کی فراہمی کی ذمہ داری لی ہے، اس کے بعد سبھوں کو یکساں موقع دیا کہ جائز حدود کے اندر رہ کر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر سکتے ہیں، پھر اسلام نے لوگوں کے درمیان پائے جانے والے باہمی تفاوت وفرق کو سامنے رکھتے ہوئے ہر ایک کو اسکی محنت قدرت اور حسن کارکردگی کے مطابق بدلہ دیا، یہ ایسی صورت ہے کہ اس میں لوگوں کیلئے کسی قسم کا نقصان نہیں ہے کیونکہ اسلام نے ان سب کی ضروریات معاش کی ضمانت تو پہلے ہی لے لی ہے

اسلام لوگوں میں فرق مراتب کو تسلیم کرتا ہے

اسلام جس نے ہر شخص کو یکساں موقع دیا ہے وہ اس کے ساتھ لوگوں کے درمیان فرق مراتب تسلیم کرتا ہے کیوں کہ مختلف خصوصیات واستعداد اور صلاحیت ہوتی ہیں اس لئے انسانی طبائع کے ان باہمی اختلافات کو نظر انداز کر دینا اسلام کی حکمت سے بعید تھا،

یہ حسابی اور مادی مساوات جسکی آواز اشتراکی نظریہ رکھنے والے اٹھاتے رہتے ہیں، یہ تو درحقیقت ایسی مساوات ہوگی کہ جن لوگوں کے حق میں یہ مساوات برتی جائیگی وہ خود مساوی اور برابر نہیں ہیں اگر ایسی مساوات وجود میں آئے گی تو یقیناً وہ ایک اجتماعی ظلم ہوگا کیوں کہ اس نظام میں باصلاحیت افراد کو پورا حق نہیں مل پائے گا اور وہ ترقی نہیں کر سکیں گے جس کے نتیجہ میں پیداوار میں کمی آ جائے گی،

اسلام لوگوں کے درمیان جس مساوات کو تسلیم کرتا ہے اس میں محض حسب ونسب اور رنگ ونسل کے اختلاف کی بنیاد پر کسی امتیاز کو روا نہیں رکھا ہے، لیکن انسانی طبائع میں جو فرق وتفاوت ہے اسکی رعایت کرتا ہے، چنانچہ مفید خصوصیات اور کار آمد امتیازات کے حاملین کو ان کے مطابق ان کا پورا حصہ اور حق عطا کرتا ہے۔

اس فرق مراتب کے وجوہات بہت سے ہیں۔

اس امتیاز کا ایک سبب علم وعقل کا تفاوت اور ایمان وعمل میں فرق ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے

"بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں"

"جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے خدا ان کے درجے بلند کرے گا"

"اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے"

"بھلا جو مومن ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو نافرمان ہو؟ دونوں برابر نہیں ہو سکتے"

"اور کہہ دو کہ ناپاک چیزیں اور پاک چیزیں برابر نہیں ہوتیں گو ناپاک چیزوں کی کثرت تمہیں خوش ہی لگے"

"اور سب لوگوں کے بلحاظ اعمال درجے (مقرر) ہیں"

ایک سبب یہ ہے کہ فطری استعداد کے فرق کی وجہ سے اسباب رزق ومعیشت میں فرق ہوتا ہے اور خدا نے رزق (دولت) میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے

"اور جس چیز میں خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اس کی ہوس مت کرو، مردوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کئے، اور عورتوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کئے"

تفاوت کا ایک سبب جہاد ہے، ارشاد ہے "جو مسلمان گھروں میں بیٹھ رہتے اور لڑنے سے جی چراتے ہیں اور کوئی عذر نہیں رکھتے اور وہ جو خدا کی راہ میں اپنے مال وجان سے لڑتے ہیں وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے خدا نے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجہ میں فضیلت بخشی ہے۔

ایک سبب امور خانہ داری کے سلسلہ میں عورت ومرد کا فطری اختلاف ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے "اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق عورتوں پر ہے) نیز ارشاد ہے "مرد عورتوں پر حاکم (مسلط) ہیں اس لئے کہ خدا نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لئے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں"

یہ فرق صرف عام لوگوں ہی میں نہیں ہے بلکہ انبیائے کرام میں بھی دعوت دین پیش کرنے اس راہ کے مصائب برداشت کرنے اور اپنی اپنی قوموں کی جانب سے سرد وگرم کا مقابلہ کرنے میں تفاوت اور فرق ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے "یہ پیغمبر (جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں) ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے بعض ایسے ہیں جن سے خدا نے گفتگو فرمائی اور بعض کے (دوسرے امور میں) مرتبے بلند کئے"

زلزلے سے مجروح مسجدیں آپ کے مخلصانہ تعاون کی منتظر ہیں۔

ان میں سات مسجدوں کو نئے سرے سے بنانا ضروری ہے بقیہ مساجد کی ضروری اصلاح ومرمت لازمی ہے۔ تاکہ خدا کے گھر میں خدا کے بندے سجدہ ریز ہو سکیں۔ تقریباً پچیس لاکھ روپے کا یہ پراجکٹ آپکے مخلصانہ تعاون کا منتظر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے خدا کیلئے گھر بنایا۔ خدا تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے۔

خود تعاون کیجئے، اور اپنے احباب کو متوجہ فرمایئے۔ چک وڈرافٹ منی آرڈر بھیجنے کا پتہ۔

مرکزی تعمیر مساجد کمیٹی، خانقاہ، مونگیر۔ (بہار)۔

— ہم ہیں آپ کے مخلص —

مولانا محمد ولی رحمانی (استاد جامعہ رحمانی) صدر مرکزی تعمیر مساجد کمیٹی۔
جناب عبدالودود (سابق چیرمین بہار وقف بورڈ) نائب صدر۔
جناب غلام معین الدین (سابق ڈسٹرکٹ جج) نائب صدر۔
جناب الحاج نسیم احمد (سابق چیرمین بہار وقف بورڈ) جنرل سکریٹری۔